بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۳۸ شمارہ ۱۱

نومبر ۲۰۱۴ء

محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	فاضلِ اشرفیہ مولانا محمد کرامت رسول رضوی ازہری	مبارک حسین مصباحی	۳

تحقیقات

علمی تحقیق	کیا بغیر سند کے حدیث کسی صورت مستند نہیں؟ (آخری قسط)	مفتی محمد حسان عطاری	۸

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں....؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۳

نظریات

فکر امروز	عالمی میڈیا میں نظریۂ جہاد کی بے حرمتی	غلام رسول دہلوی	۱۵

اسلامیات

شعاعیں	ماہِ محرم الحرام اور عاشورا کی فضیلت واہمیت	حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی	۱۸

تاریخیات

تاریخی تحقیق	بنگال اور اسلام	مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی	۲۱

شخصیات

انوارِ حیات	علامہ غلام محمد تونسوی علیہ الرحمہ	محمد منور عتیق، برمنگھم	۲۶

بزمِ دانش

فکر ونظر	منشیات کی روک تھا: تجاویز اور اقدامات	حیدر رضا مصباحی/توفیق احسن برکاتی/محمد عابد چشتی/حافظ محمد خلیل مصباحی	۳۲

ادبیات

گوشۂ ادب	تحریر: کیا، کیوں اور کیسے؟	محمد آصف اقبال	۴۴
نقد ونظر	مجلسِ شرعی کے فیصلے	مبصر: مولانا خالد ایوب مصباحی	۴۹
خیابان حرم	نعت ومنقبت	محمد ذاکر حسین نوری/عبد العلی عرفان علی رضوی	۵۱

مکتوبات

صدائے بازگشت	ماہ نامہ پیامِ حرم/ مدرسہ اشرف العلوم بلرام پور/ محمد خلیل مصباحی چشتی/ رضا حسین مصباحی/ ڈاکٹر ظہور احمد دانش/ قاری محمد دانش/ محمد شاداب برکاتی مصباحی	۵۲

سرگرمیاں

خیر وخبر	رضا اکیڈمی نے کشمیر میں ریلیف تقسیم کی/ جشن مفتی اعظم راجستھان/ ایک اہم خوش خبری	۵۵

اداریہ

فاضلِ اشرفیہ حضرت مولانا محمد کرامت رسول رضوی ازہری

ولادت: ۳۰؍ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ/ ۲۰؍ اپریل ۱۹۷۷ء...... وصال: ۵؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/ ۳۰؍ ستمبر ۲۰۱۴ء

مبارک حسین مصباحی

قارئین کے لیے یہ اندوہناک خبر صد قابلِ افسوس ہوگی کہ فاضل اشرفیہ حضرت مولانا محمد کرامت رسول رضوی ازہری ۵؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/ ۳۰؍ ستمبر ۲۰۱۴ء کو حرکت قلب بند ہونے سے شب ۱۱؍ بج کر ۱۲؍ منٹ پر جاں بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. مولانا ازہری علیہ الرحمہ تقریباً گزشتہ ۷؍ برس سے دار العلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ میں مدرس اعلیٰ تھے۔ باجماعت نمازِ مغرب ادا فرمائی، چند طلبہ کو درس دیا اور پھر نمازِ عشا کی تیاری کے لیے اپنے کمرے میں تشریف لے گئے، کچھ طبیعت بوجھل ہوئی، اسی دوران حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ ایک نوجوان عالمِ دین نماز و درس کے بعد نمازِ عشا کی تیاری کے دوران اپنے معبودِ حقیقی سے جاملا۔ مولانا نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے دستار فضیلت کے بعد دو سال تک جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی میں پڑھا اور اس کے بعد ۱۱؍ اگست ۲۰۰۱ء سے اکتوبر ۲۰۰۶ء تک قاہرہ مصر کے معروف ادارہ جامعہ ازہر میں کلیۃ اصول الدین کے فنِ تفسیر اور علومِ قرآن میں کمال حاصل کیا، اس کے بعد سے مسلسل خدمتِ دینِ متین اور تدریس و تعلیم میں مصروف رہے "علم و فن کا ایک درخشندہ ستارا عالمِ شباب میں روپوش ہو گیا۔ مولا تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

فضل و کمال کا مہرِ درخشاں: مولانا موصوف سے ہمارا تعارف مولانا کے عمِ محترم خلیفۂ مفتیِ اعظم ہند شیخِ طریقت استاذ القراء حضرت قاری محمد امانت رسول رضوی نوری دام ظلہ العالی کے حقیقی بھتیجے کی حیثیت سے ہوا تھا، حضرت قاری صاحب ہمارے قدیم کرم فرما ہیں اور ان کی کرم فرمائیوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ہم دو ایک بار ان کے تاریخی جلسوں میں بھی شرکت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ آپ شہزادۂ اعلیٰ حضرت مرشدِ طریقت حضرت مفتیِ اعظم ہند بریلوی کے بھی محبوب ترین خلیفہ ہیں، انھیں یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت مفتیِ اعظم ہند نے ان کی اقتدا میں ۱۱؍ برس تک نمازیں بھی ادا فرمائی ہیں۔ ان کے تنِ اقدس کا رونگٹا رونگٹا قادری، برکاتی، رضوی اور نوری ہے۔ ان کی سوچوں کی رہ گزر ہمیشہ تصوف و روحانیت سے مشک بار رہتی ہے، ملک بھر میں ان کے مریدین اور متوسلین کا دائرہ بھی وسیع ہے، وہ جب عشق و محبت میں ڈوب کر قصیدہ بردہ شریف اور رضا و نوری کی نعتیں پڑھتے ہیں تو سماں باندھ دیتے ہیں، قاری صاحب خود بڑے اچھے شاعر بھی ہیں اور استخراجِ تواریخ میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ آپ اس وقت سرچشمۂ ہدایت الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام ہدایت نگر پیلی بھیت کے کے مہتمم اور سربراہ ہیں۔ اہلِ عقیدت کی دعوت پر ملک کے اہم علاقوں کے دورے بھی فرماتے رہتے ہیں۔

گفتگو تھی حضرت مولانا محمد کرامت رسول علیہ الرحمہ کی، مولانا ۱۵؍ شوال ۱۴۱۵ھ/ ۱۵؍ مارچ ۱۹۹۵ء کو جماعت رابعہ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے، دورانِ تعلیم مولانا سے ملاقات ہوتی رہی، وہ جب گھر سے تشریف لاتے تو عام طور پر ملتے، ہم ان سے گھر کی خیریت دریافت کرتے، اس دوران خاص طور پر محبِ مکرم قاری صاحب موضوعِ گفتگو ہوتے، ہم ان کی خیریت معلوم کرتے تو بڑے ادب سے سر جھکا کر فرماتے حضرت سب ٹھیک ہے، مزید بہتری کے لیے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ افسوس صد افسوس علم و فن کا یہ مہرِ درخشاں عین نصف النہار کے وقت روپوش ہو گیا۔ موصوف کی عمر لگ بھگ ۳۸؍ برس تھی، ان کی فراغت کو قریب ۸؍ برس ہو رہے ہیں، اس مختصر سی مدت میں انھوں نے بڑی اہم علمی خدمات انجام دیں۔ ابھی تو ان کے فضل و کمال کا سورج بلندیوں کی جانب بڑھ رہا تھا، تاریکیوں میں اجالوں کی کرنیں بکھیر رہا تھا۔

مولانا ازہری کا میانہ موزوں قد تھا، خوش کن نستعلیق چہرہ تھا، بڑی بڑی پرکشش آنکھیں تھیں، جن میں شرم و حیا کا نور ہمیشہ جگمگاتا رہتا تھا، پر نور چوڑی پیشانی تھی، بھرے چہرے پر دل آویز داڑھی تھی، نظر پڑتے ہی لبوں پر تبسم کے پھول بکھر جاتے تھے، گفتگو فرماتے تو سامعین کو گرویدہ فرما لیتے تھے۔

صداقت و دیانت ان کی خصلت تھی، وہ اپنے علمی شگوفوں سے بھی سامعین کو محو کر لیتے تھے، خشیتِ ربانی سے ان کا وجود لرزیدہ اور ترسیدہ رہتا تھا، نفس نفس سے عشقِ رسول ﷺ کی خوشبو پھوٹتی تھی، اطاعت مصطفےٰ ﷺ ان کی زندگی کا معمول تھا۔ قدم قدم پر بزرگوں کی اداؤں کی سچی تصویر تھے، وقت اور اصول کے بے حد پابند تھے، تضییعِ اوقات سے حد درجہ گریز کرتے تھے، حق گوئی ان کے طرزِ حیات کا زیور تھا، لالچ اور خود غرضی سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے۔ ان کا مقصدِ حیات احیاے دین تھا، سنتِ مصطفےٰ ﷺ کا فروغ ان کا مشن تھا۔ عبادت و ریاضت ان کی زندگی کے معمولات تھے، انھوں نے سات برس کی عمر سے نماز شروع کی تھی، موت سے قبل آخری نماز مغرب بھی با جماعت ادا کی تھی۔ وہ تقویٰ شعاری کے لیے کوشاں رہتے تھے، پرہیز گاری ان کی شناخت تھی، وہ اپنی مختصر سی عمر میں بہت کچھ کر گئے، ان کے کردار و عمل ان کی حیات ہی میں مشعلِ راہ تھے۔ وہ چلے گئے مگر ان کے علم و فن کی یادیں موجود رہیں گی، قرآن و حدیث کی پیروی ان کے معاصرین کے لیے قابلِ تقلید نمونہ تھی۔ جی ہاں وہ چلے گئے مگر ان کی یادوں کے نقوش اس راہ کے راہ گیروں کو مقصدِ حیات کی منزل کا پتہ دیتے رہیں گے۔

مفتیِ اعظم ہند کا فیضان و کرم: امام احمد رضا قدس سرہ العزیز (م: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) ایک جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت تھے، آپ نے اپنی علمی اور فقہی خدمات سے اپنے عہد کو متاثر کیا۔ آپ تصوف و روحانیت میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے شہزادوں نے علم و تحقیق کا محاذ سنبھالا، اس وقت ہم ذکر کریں گے حضرت مفتیِ اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی (م: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) کا۔ وہ علم و فقہ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے اور زہد و ورع میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ وہ اپنے عہد میں شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر فائز تھے، پیلی بھیت سے بریلی شریف کا بڑا گہرا رشتہ تھا، ہے اور رہے گا۔ شیدائیوں میں ایک انتہائی اہم نام حضرت قاری امانت رسول نوری کا بھی ہے۔ یہ بھی اہم مواقع پر حضرت مفتی اعظم ہند کو پیلی بھیت مدعو کرتے اور حضرت بہ خوشی ان کی دعوت پر تشریف لے جاتے۔

یہ ۳۰/ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ/ ۲۰/ اپریل ۱۹۷۷ء کی تاریخ تھی کہ الحاج حافظ محمد عنایت رسول رضوی خلیفۂ قطبِ مدینہ کے قصرِ فقیری میں ایک نوری بچہ تولد ہوا[1]، اس کے چھٹے دن سرکار مفتی اعظم ہند کو بھی حضرت قاری امانت رسول رضوی نے بڑی عقیدت و محبت سے بلا لیا، ضروریات سے فراغت کے بعد اہلِ خانہ نے عرض کیا: حضور! آپ کی دعاؤں سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، اس کو مزید دعائیں عطا فرمادیں اور اس کا نام بھی تجویز فرمادیں۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا اور فرمایا کہ خاندانی طرز پر ”محمد کرامت رسول“ نام رکھ لیا جائے، اہلِ خانہ نے اس نام پر اپنی فرحت و مسرت کا اظہار کیا۔ مزید حضرت نے کرم فرمایا اور تاریخی نام ”منہاج الرضا نوری“ (۱۳۹۷ھ) بھی عطا فرمایا۔

تلمیذ محدث سورتی شمس الفیوض الحاج محمد ہدایت رسول قادری علیہ الرحمہ کا دولت کدہ محلہ بھورے خاں، پیلی بھیت میں ہے۔ یہ حضرت مولانا محمد کرامت رسول پیلی بھیتی کے حقیقی دادا جان تھے۔ اس کاشانۂ فقیری میں ۵/ رجب ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء کو ”جشن غریب نواز و جشن تسمیہ خوانی محمد کرامت رسول“ کا انعقاد ہوا، اس جشن کے خصوصی مہمان کی حیثیت سے حضرت مفتی اعظم ہند بریلوی کو مدعو کیا گیا، پروگرام کے آخر میں سرکار مفتیِ اعظم ہند نے ”محمد کرامت رسول“ کو طلب فرمایا اور باضابطہ بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کرائی، حضرت مفتیِ اعظم ہند نے اس موقع پر اہلِ خانہ اور بسم اللہ خوانی کرنے والے طالب علم کے لیے ڈھیر ساری دعائیں فرمائیں اور پھر حضرت قاری محمد امانت رسول قادری سے ارشاد فرمایا: قاری صاحب! انشاء اللہ محمد کرامت رسول بے نظیر عالمِ دین بنے گا۔“

سرکار مفتیِ اعظم ہند ایک باکرامت ولیِ کامل تھے، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا تھا، ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملے شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا کرامت رسول ازہری ایک باوقار عالم و فاضل اور مفسر و محقق کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اللہ تعالیٰ انھیں قبر و حشر کی جنتوں سے سرشار فرمائے۔ آمین۔

محب گرامی حضرت قاری محمد امانت رسول نوری کا بیان ہے کہ جب جلالۃ العلم حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی (م: ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) پیلی بھیت تشریف لے جاتے تو پہلے حضرت محدث سورتی علامہ شاہ وصی احمد (م: ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوتے، اپنی

(۱)— مولانا کرامت رسول ازہری علیہ الرحمہ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور دیگر جامعات میں اپنی تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۸۰ء تحریر کرائی تھی، اس لیے ان جامعات میں یہی تاریخ درج ہے۔ قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں اس لیے ہم نے اس کی وضاحت کر دی۔ (مصباحی)

عقیدتوں کا خراج پیش کرتے اور پھر سیدھے تلمیذ محدث سورتی حضرت شیخ محمد ہدایت رسول قادری علیہ الرحمۃ کے درِ دولت پر حاضری دیتے، بڑے ادب سے چوکھٹ چومتے۔ وجہ معلوم کرنے پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس سرزمین پر ہمارے استاذِ گرامی صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ (م: ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) جب حضرت محدث سورتی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پڑھتے تھے تو اسی مقام پر قیام فرماتے تھے۔ میں آپ کے درِ دولت کو اپنے اکابر کی نسبت کی وجہ سے چوم رہا ہوں۔ قاری صاحب نے مزید فرمایا کہ یہی حال حضرت مجاہدِ ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ (م: ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) کا بھی تھا۔

تعلیم و تربیت: مولانا محمد کرامت رسول ازہری عہدِ لاشعوری ہی سے پڑھنے لکھنے کا ذوق رکھتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پیلی بھیت کے مدرسے میں شروع کی، آپ کے اساتذہ میں آپ کے والدِ گرامی خلیفۂ قطبِ مدینہ الحاج حافظ محمد عنایت رسول قادری تھے، جب کہ تجوید و قراءت کی تعلیم اپنے عمِ محترم حضرت قاری امانت رسول قادری دام ظلہ العالی سے حاصل کی، درس نظامی کی ابتدائی تعلیم مفتی پیلی بھیت استاذ العلما حضرت علامہ مفتی وجیہ الدین مصباحی سجادہ نشیں خانقاہ ضیائیہ پیلی بھیت اور حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن صدر المدرسین مدرسہ سرچشمۂ ہدایت الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام ہدایت نگر پیلی بھیت سے حاصل کی، مزید تعلیم و تربیت کے لیے دار العلوم غوثیہ نوریہ، نیوریہ حسین پور ضلع پیلی بھیت میں چند سال گزارے۔ اس طرح ابتدائی درسِ نظامی میں نیک نامی حاصل کی۔

مولانا محمد کرامت رسول ازہری کی نگاہوں کا نشانہ اب برصغیر کی عظیم ترین درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تھا، مولانا نے کوشش کی اور اپنے مطلوبہ نشانے کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ/۱۵/ مارچ ۱۹۹۵ء کو درجہ رابعہ میں داخلہ ہو گیا۔ دورانِ تعلیم آپ نے حد درجہ محنت فرمائی، مطالعہ کرنا، درس گاہ میں توجہ سے سننا اور پھر تکرار و مباحث میں وقت گزارنا آپ کا عام معمول تھا۔ عہدِ طالب علمی میں بھی آپ نماز و جماعت کے پابند تھے، اختلاف و انتشار سے آپ ہمیشہ گریزاں رہتے۔ اساتذۂ کرام کا ادب و احترام اور اوقات کی پابندی آپ کی عادت تھی۔

مولانا محمد کرامت رسول ازہری کے تعلق سے اساتذہ اشرفیہ، مبارک پور نے عام طور پر اس تأثر کا اظہار فرمایا کہ مولانا سنجیدگی اور فراخ دلی سے لبریز تھے۔ امانت و دیانت ان کی خصلت و عادت تھی، وہ اپنی جماعت کے باصلاحیت طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ چند سال قبل جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلسِ شوریٰ میں یہ طے ہوا کہ "تخصص فی الادب" کے لیے دو عربی زبان و ادب کے ماہرین کا تقرر ہونا چاہیے۔ مجلسِ انتظامیہ کے ذمہ داروں نے شیخ الجامعہ صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی تک یہ فیصلہ پہنچایا۔ آپ نے باضابطہ حضرت مولانا محمد کرامت رسول علیہ الرحمہ کو جامعہ آنے کی دعوت دی۔ وہ جامعہ اشرفیہ تشریف بھی لائے ان کے سامنے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا منصوبہ رکھا گیا تو انھوں نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ حضرت! میں نے جامعہ ازہر قاہرہ مصر میں پڑھا ہے مگر میرا خصوصی مضمون عربی زبان و ادب نہیں تھا بلکہ قرآنی علوم اور تفسیر تھا، اس لیے بر وقت اس خدمت سے معذرت عرض ہے۔ اپنے علم و فن کے تعلق سے یہ مولانا کی صاف گوئی تھی۔ تعلیم و تربیت کے درجنوں شعبے ہیں، کسی ایک طالب علم کے لیے کوئی ضروری نہیں کہ وہ تمام شعبوں میں مہارت حاصل کرے۔

جامعہ اشرفیہ میں آپ کے اساتذہ میں چند اہم نام یہ ہیں:

(۱) شیخ العلما حضرت علامہ عبد الشکور عزیزی، (۲) صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (سابق) شیخ الجامعہ (۳) سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ (۴) نصیرِ ملت حضرت مولانا محمد نصیر الدین عزیزی (۵) حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی (۶) حضرت مولانا عبد الحق رضوی (۷) حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی (۸) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی وغیرہ۔

حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی کے عرس کے موقع پر آپ دستارِ فضیلت سے نوازے گئے اور اسی سال ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں سندِ فضیلت سے سرفراز کیے گئے۔

جامعہ حضرت نظام الدین اولیا نئی دہلی: جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بعد آپ دہلی روانہ ہوئے اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیا ذاکر نگر نئی دہلی میں داخل ہوئے اور مسلسل دو سال تک عربی، انگریزی زبان و ادب اور دعوت و تبلیغ کے لیے دین کے بنیادی علوم میں کمال حاصل کیا۔ وہاں ۱۳/ صفر ۱۴۲۲ھ/۷/ مئی ۲۰۰۱ء میں "شہادۃ الثانویہ" حاصل کی۔ اس سند کی چند سطریں ذیل میں درج ہیں:

نشهد بأن حامل هذه الشهادة الاخ محمد كرامت رسول بن محمد عنايت رسول من اهل محله بهورے خاں، مديرية

پیلی بھیت. المولود في ۱ ینایر بسنه ۱۹۸۰، قد نجح في امتحان الثانو یة النهائی المنعقد في عام ۱۱ صفر ۱۴۲۲ھ الموافق ۵ مایو ۲۰۰۱ م بتقدیر ممتاز الخ.

اس جامعہ میں آپ نے ۸۷ فی صد امتیازی نمبروں کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔

جامعہ ازہر قاہرہ مصر: دہلی سے فراغت کے بعد آپ اپنی تعلیمی لگن کی تکمیل کے لیے عالم اسلام کی عظیم درس گاہ جامعہ ازہر قاہرہ مصر پہنچے۔ اس میں آپ ۱۱؍ اگست ۲۰۰۱ء سے اکتوبر ۲۰۰۶ء تک رہے۔ جامعہ ازہر مصر اپنے علمی، دینی اور تحقیقی کاموں کی بنیاد پر شہرت و مقبولیت کے بامِ عروج پر ہے۔ مولانا محمد کرامت رسول نے اس عظیم و قدیم ادارے میں تقریباً ۶؍ برس تک تعلیم و تربیت کا سفر طے کیا، آپ نے یہاں آخری سند "درجۃ الاجازۃ العالیہ (اللیسانس) فی اصول الدین، "شعبۃ التفسیر و علوم القرآن" کی حاصل کی، سند ذیل میں درج ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمهوریة مصر العربیة جامعة الأزهر

بعد الاطلاع علی نتیجة امتحان کلیة أصول الدین بالقاهرة عام ۲۰۰۵ / ۲۰۰۶ المعتمدة بقرار مجلسها في ۲۰ من جمادی الآخرة ۱۴۲۷ هجریة و ۲۵ من یولیه سنة ۲۰۰۶ میلادیة قرر مجلس الجامعة بتاریخ ٦ من رجب سنة ۱۴۲۷ هجریة و ۳۱ من یولیه سنة ۲۰۰۶ میلادیة منح السید / محمد کرامت رسول بن السید / محمد عنایت رسول المولود فی الهند سنة ۱۹۸۰ میلادیة درجة الإجازة العالیة (اللیسانس) في أصول الدین "شعبة التفسیر و علوم القرآن" بتقدیر جید جداً.

القاهرة فی رمضان ۱۴۲۷ هجریة و اکتوبر ۲۰۰۶ میلادیة.

سند کے آخر میں چند ذمہ داروں کی مہریں اور دستخط ہیں۔

رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ / اکتوبر ۲۰۰۶ء میں قاہرہ مصر سے اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لائے۔ مصر سے واپسی پر آپ کے اہلِ خانہ اور اعزہ و اقارب میں فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

تدریسی خدمات: مصر سے واپسی کے بعد آپ نے ایک سال تک دار العلوم فیضان اشفاق ناگور شریف راجستھان میں درس دیا۔ اور پھر محبِ گرامی حضرت مولانا سید محمد علیم الدین مصباحی مدظلہ العالی نے رابطہ فرمایا اور پھر انھیں لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ میں اپنے دار العلوم قادریہ غریب نواز میں بحیثیت مدرس بلا لیا۔ آپ نے وہاں تقریباً ۷؍ برس تک بحسن و خوبی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت مولانا سید محمد علیم الدین مصباحی کا فرمانا ہے کہ اس وقت کثیر ملکوں میں مولانا کرامت رسول قادری ازہری کے تلامذہ دین و سنیت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

گنبدِ خضرا کے سامنے نکاح خوانی: حضرت مولانا محمد کرامت رسول ازہری کا نکاح ۲۷؍ ویں رمضان ۱۴۳۲ھ / ۲۱؍ اگست ۲۰۱۱ء کو گنبدِ خضرا کے سامنے ہوا۔ نکاح خوانی کرانے والی شخصیت معروف عالمِ ربانی حضرت مولانا افتخار احمد قادری مصباحی ہیں۔ اس تقریبِ نکاح میں کئی بابرکت چیزیں جمع تھیں۔ گنبدِ خضرا کی نورانیت، مسجدِ نبوی کا تقدس، ستائیسویں شب کی برکت، رمضان المبارک کی شبِ قدر، زوجین میں ایک عالمِ ربانی اور شریکِ حیات حضرت قاری امانت رسول قادری کی لختِ جگر۔ اس مقدس مجلس میں دولہا میاں کے والد گرامی الحاج محمد عنایت رسول قادری اور استاذ القراء حضرت قاری محمد امانت رسول رضوی نوری وغیرہ افراد بھی شریک تھے۔

خلافتیں اور اجازتیں: آپ بلند عالمِ ربانی ہونے کے ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری میں بلند حیثیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو دنیا کی عظیم ترین شخصیات نے اجازتیں اور خلافتیں عطا فرمائیں۔ اجازت و خلافت عطا فرمانے والے مشائخ عظام کے اسمائے گرامی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) قطبِ بلگرام حضرت سید شاہ آل محمد ستھرے میاں سجادہ نشین خانقاہ واحدیہ، بلگرام شریف۔

(۲) نبیرۂ قطبِ مدینہ جانشینِ حضرت ضیاء الملۃ والدین شیخ رضوان الرحمٰن مدنی نے مدینہ منورہ میں اپنے مکان پر خلافت و اجازت عطا فرمائی۔

(۳) تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ محمد اختر رضا ازہری میاں، بریلی شریف۔

(۴)محدث بریلوی حضرت علامہ شاہ مفتی تحسین رضا رضوی، بریلی شریف

(۵)خلیفہ مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا قاری امانت رسول قادری نے گنبدِ خضریٰ کے سامنے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

(۶)استاذالعلما حضرت علامہ مفتی جہاں گیر رضوی سابق شیخ الحدیث منظر اسلام، بریلی شریف۔

وصالِ پر ملال: حضرت مولانا محمد کرامت رسول ازہری اپنی پوری امنگوں کے ساتھ تدریس و تعلیم میں مصروف تھے، علمِ دین سے معمور تھے۔عشقِ رسول سے موج زن تھے، قرآن و حدیث اور فقہ و کلام کی موشگافیوں کو سلجھا رہے تھے، اساتذہ و طلبہ کے درمیان بھی ہر دل عزیز اور مقبول تھے، دار العلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ میں بحیثیت مدرس تقریباً سات برس قبل تشریف لے گئے تھے، اس درمیان کوئی افسوس ناک بات سامنے نہیں آئی، بلکہ پوری دل جمعی اور لگاؤ کے ساتھ اپنی منصبی ذمہ داریاں سنبھالتے رہے۔ یہ شب ۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/ ۳۰/ستمبر ۲۰۱۴ء چہار شنبہ کی بات ہے، آپ نے جماعت سے نماز مغرب ادا فرمائی اور پھر مخصوص طلبہ کو درس دیا، عشا کی تیاری کے لیے اپنے کمرے میں گئے، اسی دوران آپ کی طبیعت بوجھل ہونے لگی، وہ بروقت کچھ کر نہیں پائے کہ اچانک حرکتِ قلب بند ہوگئی اور آپ کا وصالِ پر ملال ہو گیا۔ یہ شب چہار شنبہ ۱۱/ بج کر ۱۲/ منٹ ۳۰/ستمبر ۲۰۱۴ء کا حادثۂ فاجعہ ہے۔ وصالِ پر ملال کی اچانک خبر سے دار العلوم قادریہ میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی اور پھر ان کے جنازے کو انڈیا لایا گیا۔ اس الم ناک خبر سے پیلی بھیت میں غم کے بادل چھا گئے، اہلِ خانہ اور اہلِ عقیدت و محبت نے صبر و شکر کا مظاہرہ کیا۔ ۳/ اکتوبر ۲۰۱۴ء جمعہ مبارکہ ۱۰/ بج کر ۲۵/ منٹ پر الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام ہدایت نگر، پیلی بھیت کے گراؤنڈ میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور بصد حسرت و یاس ان کے دادا جان تلمیذ محدث سورتی شمس الفیوض حضرت الحاج محمد ہدایت رسول علیہ الرحمہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ مولا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل ابدی سعادتوں سے نوازے اور جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیقات سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس شوریٰ میں آٹھ نئے ممبران کا اضافہ

حسبِ سابق امسال بھی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلسِ شوریٰ ستمبر ۲۰۱۴ء میں منعقد ہوئی، جس میں چند اہم فیصلے ہوئے، انھیں میں ایک اہم فیصلہ آٹھ نئے ممبران کا اضافہ" بھی ہوا۔ مجلسِ شوریٰ کے جدید ممبران کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱)حافظ ضیاء الدین صاحب، پورہ خضر

(۲)اعجاز احمد صاحب، پورہ خواجہ

(۳)حاجی غلام رسول صاحب، پورہ رانی

(۴)حاجی اسرار الحسن صاحب، لال چوک، پرانی بستی

(۵)حاجی انوار احمد صاحب، پرانی بستی

(۶)عبد الغنی خاں صاحب، سکٹھی

(۷)حاجی جمال احمد صاحب، نوادہ

(۸)حاجی اقبال احمد صاحب، خیر آباد

امید ہے کہ نئے ممبران بھی دیگر ممبران کی طرح جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ادا کریں گے اور مفید مشوروں اور عملی تعاون سے سرفراز فرمائیں گے۔ (ادارہ)

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

جناب حافظ محمد عارف صاحب
مومن پور روڈ، 35/H/2
خضر پور، کولکاتا- 23

جناب حاجی ابرار احمد عزیزی
متّصل جامعہ ہاسپٹل،
پیلی کوٹھی، بنارس (یوپی)

علمی تحقیق

آخری قسط

کیا بغیر سند کے حدیث کسی صورت معتبر نہیں؟

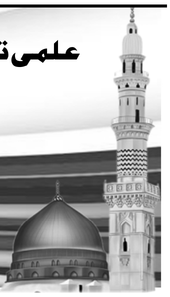

مفتی محمد حسان العطاری المدنی

اگر حدیث بلا سند ہو لیکن فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور کسی معتبر کتاب میں اس کو نقل کیا گیا ہو اور ائمہ نے اس پر اعتماد کیا ہو نیز موضوع حدیث کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کے مطابق وہ موضوع قرار نہ دی گئی ہو تو وہ حدیث معتبر ہوا کرتی ہے۔

حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کلام سے ظاہر ہو گیا کہ یہ حدیث ثقات علما نے اپنی کتب میں نقل کی ہے۔ اور جب یہ حدیث ان کتب معتبرہ میں موجود ہے تو پھر ان علما کی اس نقل کو اسی پر محمل کیا جائے گا کہ ان کو یہ حدیث سند کے ساتھ ملی ہوگی اور ہم اس پر مطلع نہیں ہو سکے۔

علامہ نجم الدین الغزی نے جن علما کے نام لکھے ان کے علاوہ بھی بعض اور علما نے اس حدیث کو مرفوعًا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ابن عجیبہ نے اپنی تفسیر "البحر المدید" میں سورۃ النحل کی آیت ۲ کی تفسیر میں، ابن عادل الدمشقی نے "اللباب فی تفسیر الکتاب" میں سورۃ الواقعہ آیت ۱۳ اور ۱۴ کی تفسیر میں، علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر "غرائب القرآن" میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۷ کی تفسیر میں، علامہ برہان الدین مازہ نے "محیط برھانی" جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ مقدمۃ الکتاب میں، حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے "کشف الظنون" جلد ۱ صفحہ ۱ مقدمۃ الکتاب میں ان الفاظ کو حدیث مرفوع کے طور پر ذکر کیا ہے۔ نیز امام اہلسنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کو فتاوی رضویہ جلد ۲۸ صفحہ ۴۱۰ اور "المتعمد المستند حاشیۃ المتعقد المنتقد" صفحہ ۲۱۷ پر امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فضائل کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

(۵) معروف محدث و محقق علامہ عبد الحی لکھنوی صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنی تصنیف "الأجوبة الفاضلة للأسئلة العاشرة" کے پہلے سوال کے جواب میں سند کی اہمیت کو بیان کرنے اور واضعین حدیث کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"فارتفع الأمان عن الأخبار، ما لم يوجد لها سند معتمد، أو اعتمد به واحد من الأخيار. ومن ههنا نصوا على أنه لا عبرة للأحاديث المنقولة في الكتب المبسوطة ما لم يظهر سندها، أو يعلم اعتماد أرباب الحديث عليها"

یعنی ان واضعین حدیث کی وجہ سے اخبار سے امان اٹھ گیا (سوائے اس صورت کہ) جب ان اخبار کے لیے کوئی سند معتمد موجود ہو، یا اخیار میں سے کسی نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہو، یہیں علما نے اس پر نص وارد کی ہے کہ جو احادیث کتب مبسوطہ میں منقول ہو ان کا کوئی اعتبار نہیں جب تک ان کی سند ظاہر نہ ہو یا محدثین میں سے کسی نے اس پر اعتماد نہ کیا ہو۔[۱]

جواب کے آخر میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"بقي ههنا أمر آخر وهو أنه، وإن كان لابد للإسناد في كل أمر من أمور الدين، لكن قد يقوم مقامه نقل من يعتمد عليه، وتصريح من يستند إليه لا سيما في الأعصار المتأخرة لفوات اهتمام الإسناد فيها بالشروط المقررة، فإن شدد فيها بطلب الإسناد في كل أمر فات المراد، فيكتفى بتصريح من عليه الاعتماد"

یعنی ایک معاملہ باقی رہ گیا وہ یہ کہ اگرچہ اسناد دین کے تمام امور میں ضروری ہے، لیکن کبھی معتمد علیہ کی نقل اور مستند الیہ کی تصریح اسناد کے قائم مقام ہوتی ہے، خصوصاً ازمنہ متاخرہ میں کہ اس میں شروط مقررہ کے ساتھ اسناد کا اہتمام باقی نہیں رہا، لہذا اگر تمام معاملات میں سند طلب کرنے میں شدت برتی جائے گی تو مقصود فوت ہو جائے گا، تو جس پر اعتماد

(۱)-الأجوبة الفاضلة للأسئلة العاشرة ص ۲۹ طبع مكتب المطبوعات الإسلامية الطبعة السادسة ۱۴۲۶ھ

کیاجاتا ہے اس کی تصریح پر اکتفاء کیاجائے گا۔(۲)

علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف "الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة" کے مقدمہ میں صوفیہ کرام کی بیان کردہ احادیث جو بلا سند ہوں اس پر اپنے ایک عزیز سے مباحثہ ذکر کیا ہے۔ جس کے آخر میں آپ نے ان احادیث کے معتبر ہونے کی دو وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) یہ اکابر صوفیہ اس بات کو بیان کریں کہ اگر ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی خواب میں یا بیداری میں اور انہوں نے اس حدیث کی تصحیح خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کی، یا ان کو الہام کیا گیا یعنی کشف کیا گیا تو اس صورت میں ہم ان کی بلا سند حدیث کو بھی قبول کرلیں گے۔

(۲) یہ صوفیہ اس بات کا دعوی نہ کریں لیکن یہ اکابر محدثین میں سے ہوں تو ہم ان کی یہ حدیث جو بلاسند ہے قبول کرلیں گے۔

یاد رہے کہ علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مباحثہ اپنے جس عزیز سے ہوا وہ علی الاطلاق صوفیہ کرام کی احادیث کے قبول کرنے کے قائل تھے جس پر دونوں کی تفصیلی بحث ہوئی اور آخر میں عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو بیان کیا۔

تفصیل کے لیے نفس مقام دیکھیے نیز سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ "منیر العین" کے صفحہ ۴۹۱ تا ۴۹۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

محترم قارئین! یہ چند صریح عبارات اور استدلالات تھے جو ہم نے ذکر کردیے کہ اگر حدیث بلاسند ہو لیکن فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور کسی معتبر کتاب میں اس کو نقل کیا گیا ہو اور ائمہ نے اس پر اعتماد کیا ہو نیز موضوع حدیث کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کے مطابق وہ موضوع قرار نہ دی گئی ہو تو وہ حدیث معتبر ہوا کرتی ہے۔ غور وفکر اور مراجعت کتب سے اس میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

یہاں چند باتوں پر تنبیہ ضروری ہے۔

(۱) احادیث طیبہ کو بیان کرنے میں قدیما وحدیثا متشددین اور متساہلین دونوں پائے جاتے ہیں جس طرح بڑی تعداد میں افراد احادیث طیبہ گھڑا کرتے تھے اور آج کے دور میں ایسی احادیث موضوعہ کو بیان کیا جاتا ہے، تو دوسری جانب متقدمین میں بہت سے محدثین ایسے گزرے ہیں جو ضعیف بلکہ بسا اوقات صحیح اور حسن احادیث کو اپنے تشدد کی بنیاد پر موضوع قرار دے دیتے تھے۔ اسی طرح ہمارے زمانہ میں بھی ایسے متشددین کی کمی نہیں ہے جو بغیر تحقیق تام کے اور قواعد محدثین کو پیش نظر رکھے بغیر احادیث کو موضوع قرار دینے میں خوف نہیں کرتے، ان میں سرفہرست نام البانی کا ہے۔

حالاں کہ جس طرح حدیث گڑھنا حرام ہے اور اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اسی طرح قواعد حدیث کی رعایت کیے بغیر کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے۔ لہذا دونوں طرف احتیاط ضروری ہے۔

اسی بات پر تنبیہ کرتے ہوئے فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی شریف الحق امجدی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں: جس طرح حدیث گھڑنا حرام ہے اسی طرح کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے، اس لیے اس معاملے میں دونوں طرف کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔(۳)

کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف قرار دینا یہ اہل علم کا کام ہے اور اہل علم میں بھی وہ افراد جو فن حدیث میں درک رکھتے ہوں، اور ان اصول سے واقف ہوں جن کی بنیاد پر حدیث موضوع یا ضعیف ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات کسی حدیث کو محدثین نے موضوع یا ضعیف کہا ہوتا ہے لیکن وہ حکم خاص ایک سند کے لحاظ سے ہوتا ہے دیگر اسانید سے وہ حدیث بسا اوقات درجۂ صحت پر ہوتی ہے۔ یا سندا ضعیف ہوتی ہے لیکن خارجی امور سے تقویت پاکر احکام میں بھی حجت ہوتی ہے۔ درس نظامی سے فارغ ہمارے بعض افراد جو مصطلح الحدیث، اور خصوصا اس کے شعبہ اصول جرح وتعدیل سے عمومی طور پر واقف نہیں ہوتے، مصطلح کی ایک آدھی کتاب پڑھی ہوتی ہیں، ایسے افراد بعض کتابوں میں فقط اتنا پڑھ لیتے ہیں لا اصل لہ، یا کسی راوی پر کلام پڑھتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث موضوع یا ضعیف ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا جس کی بین امثلہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث (من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة) کے انکار کرنے والے کے بارے میں فرماتے ہیں:

بطور محدثین اس کی سند میں کلام ہے، مگر اس کے معنی عند العلما مقبول ہیں۔

پھر اس حدیث کے منکر کے بارے میں فرماتے ہیں:

(۲)-المرجع السابق ص ۶۰

(۳)-نزهة القاري شرح صحيح البخاري جلد ۱ صفحه ۴۵۰، فرید بک اسٹال طبع اول ۱۴۲۱ھ

منکرِ حدیث مذکور اگر ذی علم ہے اور بوجہ ضعف سند مکدم کرتا ہے فی نفسہ اس میں حرج نہیں مگر عوام کے سامنے ایسی جگہ تضعیف سند کا ذکر ابطال معنی کی طرف منجر ہوتا ہے اور انہیں مخالفت شرع پر جری کر دیتا ہے اور حقیقۃً قبول علما کے لیے شان عظیم ہے کہ اس کے بعد ضعف اصلاً مضر نہیں رہتا۔ کما حققناہ في الهاد الكاف في حكم الضعاف۔ اور اگر جاہل ہے بطور خود جاہلانہ برسرپیکار ہے تو قابل تادیب وزجر وانکار ہے کہ جہال کو حدیث میں گفتگو کیا سزاوار ہے۔(۴)

امام اہل سنت کے اس مبارک فتوی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث کا انکار اگر بعدِ تحقیقِ صحیح تھا تو اگرچہ اس پر شرعاً حکم نہیں، لیکن ظاہر ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ وہ حدیث واقعی سنداً ضعیف ہو ورنہ کم از کم اس پر خطا کا حکم لازم آئے گا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث مذکور کے منکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اس حدیث کے کسی سند صحیح یا حسن کے ساتھ ثابت ہونے کا انکار کرتا ہو۔ یہ مراد نہیں کہ اصلاً یہ حدیث مروی ہی نہیں چاہے سند ضعیف کے ساتھ۔

امام محمد بن عبد اللہ بہادر الزرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۷۹۴ھ) اپنی کتاب "اللآلي المنثورة" لکھنے کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

"وربما نفاه بعض أهل الحديث لعدم اطلاعه عليه، والنافي له كمن نفى أصلا من الدين، وضل عن طريقه المبين."

یعنی بعض اوقات محدثین کسی حدیث پر عدم اطلاع کی وجہ سے اس حدیث کی نفی کر دیتے ہیں۔ اور ایسی ثابت حدیث کی نفی کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دین کی ایک اصل کا انکار کر دیتا ہے، اور واضح راستہ سے دور ہو جاتا ہے۔(۵)

ظاہر ہے کہ کسی محدث کا واضح راستہ سے دور ہونا اسی صورت میں ہوگا، جب اس نے قواعد وضوابط کی رعایت کیے بغیر حدیث کا انکار کر دیا ہو۔

(۲) بلا سند حدیث جو کتاب معتبر میں ہو اس کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قواعد حدیث کی روشنی میں موضوع ثابت نہ ہو چکی ہو، یہ پندرہ قواعد ہیں جنہیں سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے منیر العین میں ایک مقام پر جمع کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر وہ حدیث خارج سے موضوع ثابت ہو چکی ہے تو اب کتاب معتبر میں ہونا اس کا کافی نہیں ہوگا۔ جیسے ایک قاعدہ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمایا کہ:

ناقل رافضی اہل بیت کرام علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث:

"لحمك لحمي ودمك دمي."

أقول: انصافاً یوں ہی وہ مناقب امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المؤمنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں۔

كما نص عليه الحافظ أبو يعلى الخليلي في الإرشاد.

یونہی نواصب نے مناقب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گھڑیں۔

كما أرشد إليه الإمام الذاب عن السنة أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى (۶)

اس طرح کے پندرہ قواعد امام اہل سنت نے اسی مقام پر جمع فرمائے ہیں، جن کا یہاں ذکر کرنا مضمون کی طوالت کا سبب بنے گا شائقین علم فتاوی رضویہ کے اس مقام کا مطالعہ فرمالیں۔

بہر حال اگر حدیث ان دلائل کی بنیاد پر موضوع ثابت ہو چکی تو اب کتاب معتبر میں اس کا ہونا کفایت نہیں کرے گا۔ حدیث مبارک میں ہے:

"من بلغه عن الله شيء فيه فضيلة فأخذ به إيمانا به، ورجاء ثوابه أعطاه الله تعالى ذلك، وإن لم يكن كذلك."

جسے اللہ تبارک وتعالی سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے اللہ تعالی اسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر ٹھیک نہ ہو۔

امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے مختلف طرق وحوالے نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوا کہ جسے اس قسم کی خبر پہنچی کہ جو ایسا کرے گا یہ فائدہ پائے گا اسے چاہیے نیک نیتی سے اس پر عمل کرلے اور تحقیق صحتِ حدیث ونظافت سند کے پیچھے نہ پڑے وہ ان

(۴)-فتاوی رضویہ جلد ۲۷ صفحہ ۴۷ طبع رضا فاؤنڈیشن لاہور

(۵)-اللآلي المنثورة في الأحاديث المشتهرة صفحه ٥، المكتب الإسلامي بيروت، ۱۴۱۷ھ الطبعة الأولى،

(۶)-منیر العین ضمن الفتاوي الرضوية ۵/۴۶۱.

شاءاللہ اپنے حسن نیت سے اس نفع کو پہنچ ہی جائے گا۔

اَقول: یعنی جب تک اس حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہو کہ بعد ثبوت بطلان رجاوامید کے کوئی معنی نہیں۔

فقول الحديث وإن لم يكن ما بلغه حقا ونحوه إنما يعنى به في نفس الأمر لا بعد العلم به، وهذا واضح جدا فتثبت ولا تزل.(۷)

(۳)ایک سوال یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کتاب معتبر سے مراد کیا ہے؟ آیا وہ کتب جو حدیث یا متعلقات حدیث سے تعلق رکھتی ہوں، یا مطلقا کسی بھی فن کی کتاب معتبر؟

ماقبل میں ذکر کردہ جزئیات کی روشنی میں جو بات ظاہر ہے وہ کسی امام معتبر کی کتاب ہونی چاہیے جس کا حدیث کو بیان کرنے میں متساہل ہونا واضح نہ ہو۔ کیوں کہ "اختلاف امتی رحمة" میں جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں سے اغلب کتب عقائد سے تعلق رکھتی ہیں۔

اسی طرح حافظ عزی علیہ الرحمۃ نے "علماء امتی" والی حدیث کے معتبر ہونے کے لیے جن کتب کا حوالہ دیا ہے ان میں سے اکثر کتب حدیث کی نہیں ہیں۔

یوں ہی حافظ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں بھی مطلقا امام معتبر کی قید ہے۔ یہی حاصل امام اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام کا ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ خارجی ادلہ سے وہ حدیث موضوع قرار نہ دی گئی ہو، ورنہ کتاب معتبر میں ہونا اس کا کفایت نہیں کرے گا۔ نیز یہ ضروری ہے وہ کتاب ایسے امام کی ہو جو احادیث کو ذکر کرنے میں متساہل نہ ہوں، جیسے کتاب نزھۃ المجالس ہے۔

علامہ علوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ذكر العلماء كتبا لا ينبغي للإنسان أن ينقل منها حديثا إلا بعد المراجعة والتنقيب، بل بعضها يغلب فيه ذكر الأحاديث الموضوعة وذلك مثل شمس المعارف ونزهة المجالس لعبد الرحمن الصفوري فلا ينبغي الاعتماد عليها لكثرة الأحاديث الموضوعة فيها، حتى إن برهان الدين محدث دمشق حذر من قراءتها، وحرمها الجلال السيوطي."

علما نے بعض کتابوں کا ذکر کیا جن سے کسی کے لیے حدیث بغیر مراجعت وتحقیق کے ذکر کرنا درست نہیں ہے، بلکہ بعض ان میں سے وہ کتب ہیں جن میں موضوع احادیث کے ذکر کرنے کا غلبہ ہے، جیسے "شمس المعارف" ہے یا عبد الرحمن الصفوری کی "نزهة المجالس" ہے، ان میں بکثرت احادیث موضوعہ کے پائے جانے کے سبب ان پر اعتماد کرنا درست نہیں، حتی کے محدث دمشق برہان الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو پڑھنے سے بچنا کا حکم دیا جب کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی قراءت حرام قرار دی ہے۔(۸)

ان کتب سے احادیث کے نقل کرنے کے بارے میں سخت احتیاط کی حاجت ہے البتہ اہل علم احادیث کے علاوہ ان کے فوائد کو نقل کرتے ہیں تو اس میں حرج نہیں ہونا چاہیے۔

(۴)یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ کتاب معتبر میں پائی جانے والی بلا سند حدیث بھی معتبر ہے تو محدثین نے جو اسناد کے لیے کوشش کی ہیں اور مشرق ومغرب کے اسفار کیے ہیں وہ سب رائیگاں جائیں گے۔

جواب: اصول حدیث میں احادیث کے مختلف درجات بیان کیے گئے ہیں، صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، ضعیف بضعف قریب، حدیث شدید الضعیف، مطروح وغیرہ، ہر ایک کا اعتبار جدا جدا ہے ان میں سے بعض احکام میں معتبر ہیں بعض نہیں، بعض کثرت طرق سے حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچتی ہیں تو بعض فقط تقویت حاصل کرتی ہیں۔ بعض بالاجماع فضائل میں معتبر ہیں تو بعض عند التحقیق فضائل میں معتبر ہیں۔

الغرض ہر حدیث جدا حکم رکھتی ہے اور حدیث کا مقام اور مرتبہ سند ہی کی وجہ سے جدا ہوتا ہے، لہذا جو سند جس قدر قوی ہوتی جائے گی حدیث کا درجہ اتنا ہی زیادہ ہوتا جائے گا اور یہی محدثین کے اسناد کے لیے جدوجہد کا ثمرہ ہے اور جہاں سند میں ضعف آتا جائے گا چاہے وہ اسباب طعن کی وجہ سے ہو یا سقط راوی کی وجہ سے درجۂ حدیث نزول کی طرف آئے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سند کے موجود ہونے یا سند کے متصل ہونے کے فوائد اور اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا اور سند کے پائے جانے اور متصل ہونے پر ہی محدثین حدیث کے صحیح ہونے کا حکم دیتے ہیں (یعنی

---

(۷)-مينر العين ضمن الفتاوي الرضوية ۵/۴۸۸، وقد ذكر بذه الفائدة تلميذ الإمام رحمه الله تعالى المحدث الشهير ملك العلماء ظفر الدين البهاري رحمه الله تعالى في مقدمة صحيح البهاري معربا صفحة ۱۲۳. وانظر تعليقنا هناك والرد على الألباني المتناقض.

(۸)-المنهل اللطيف في أحكام الحديث الضعيف صفحه ۲۹

اس کی دیگر شرائط کے ساتھ) وہ حدیث جو بسند متصل ہو، حدیث منقطع یا وہ حدیث جس کی اصلا سند نہیں اس پر واضح ترجیح رکھتی ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سند نہ ہونے کی وجہ سے وہ حدیث موضوع ہو جائے اگرچہ وہ کلام ائمہ معتبرین میں پائی جائے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اسناد کے سنت مطلوبہ وفضیلت مرغوبہ وخاصۂ امت مرحومہ ہونے میں کسے کلام ہے محققین قابلین مراسیل ومعاضیل بھی مسانید کو ان پر تفضیل دیتے اور منقطع سے متصل کا نسخ نہیں مانتے۔ كما نص عليه في المسلم وغيره.[9]

حدیث سے ثابت ہونے والے مطالب تین اقسام پر ہیں:

عقائد احکام اور فضائل۔

عقائد کے باب میں حدیث واحد کام نہیں دیتی یعنی وہ عقائد اسلامیہ جو اصولی ہیں جن میں خاص یقین درکار ہوتا ہے وہاں خبر واحد اگرچہ صحیح ہو کفایت نہیں کرے گی۔

احکام میں حدیث صحیح لذاتہ صحیح لغیرہ حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ درکار ہیں۔

فضائل میں احادیث ضعاف بھی معتبر ہوا کرتی ہیں۔

حدیث صحیح وحسن کے لیے محدثین کے نزدیک سند کا متصل ہونا ضروری ہے، لہذا جب سند متصل نہ ہو یا اصلا سند ہی نہ ہو تو وہ حدیث احکام میں حجت نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ طرق متعددہ کی وجہ سے حسن لغیرہ ہو جائے[10]

اسی سے محدثین کے اتصال کے لیے جدوجہد کا نتیجہ ظاہر ہو گیا۔

حدیث سے تین طرح کی باتوں کا ثابت ہونا یہ سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیر العین میں بیان کیا ہے اور غالبا یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اپنی جودت فقہ کا نتیجہ ہے۔ امام اہل سنت کے اس رسالہ مبارکہ کے دو عربی ترجمہ کیے گئے۔ ہیں ایک حضور سیدی تاج الشریعہ دامت برکاتھم القدسیۃ نے اور ایک حضرت مولانا منظر الاسلام ازہری صاحب دام ظلہ نے، دونوں کتابوں پر عرب کے جلیل القدر علما کی تقاریظ ہیں۔

۹- فتاوی رضویہ جلد ۵ صفحہ ۶۲۳، ۶۲۴

۱۰-البتہ بعض صورتیں اس سے مستثنی ہیں، حدیث ضعیف احکام میں کب حجت ہوتی ہے اس پر ان شاء اللہ عزوجل علیحدہ مضمون لکھنے کی کوشش کروں گا۔

منظر الاسلام صاحب کی تعریب پر مصر واز ہر کے علما کی تقاریظ ہیں جن میں ایک تقریظ جامعۃ الازہر کے استاذ حدیث شیخ مصطفی محمد ابو عمارہ حفظہ اللہ کی ہے جس میں انہوں نے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تصنیف کی غایت مدح کی ہے، خاص اس میں آپ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تقسیم کی تحسین کی ہے ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ومن بديع فقهه يقول: إن القضايا التي يستدل بها بالحديث ثلاثة أنواع، عقائد: ولا يكفي فيها خبر الآحاد، أحكام: يكفي فيها الصحيح بنوعين، والحسن بنوعين. فضائل: يكتفي فيها بالضعيف.. ويفصل القول في كل نوع من هذه الأنواع وغير ذلك من المباحث الرصينة والفوائد القيمة التي لا تراها إلا في هذا الكتاب."

یعنی ان کے نادر فقہ میں سے یہ ہے کہ فرماتے ہیں: وہ قضایا جن پر احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے تین قسم پر ہیں:

عقائد اس میں خبر واحد کفایت نہیں کرتی۔

احکام: ان میں صحیح اپنی دونوں قسموں یعنی صحیح لذاتہ اور لغیرہ حسن اپنی دونوں قسموں کے ساتھ کفایت کرتی ہے۔

فضائل :اس میں حدیث ضعیف کفایت کرتی ہے۔

پھر امام نے ان تمام انواع میں سے ہر نوع کی تفصیل بیان کی ہے اس کے علاوہ اس میں وہ مضبوط مباحث اور قیمتی فوائد ہیں جو آپ اس کتاب کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھیں گے۔

اپنے مضمون کو ختم کرنے سے قبل اختصارا دو باتیں اور عرض کر دوں کہ سند کا نہ پایا جانا یہ ہمارے اعتبار سے ہے، لیکن جب کسی معتبر امام نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہو تو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ ان کو اس کی سند ملی ہوگی۔

كما تقدم في كلام الإمامين السيوطي والغزي تصريحا وفي كلام الحافظ طاهر الفتني ضمنا.[11]

دوسری بات یہ کہ یہ تمام ابحاث طرز محدثین پر تھیں جہاں تک رہا معاملہ فقہائے کرام کا ان کے نزدیک اسناد کے احکام میں کچھ فرق ہے۔ تفصیل کے لیے منیر العین کا مطالعہ فرمائیں۔

☆☆☆☆

(۱۱)-اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو تصانیف "صفائح اللجين" اور "الفضل الموهبي" کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

خصی کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

ایک شخص اپنے ہی عقیدے سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اس کا یہ کہنا ہے کہ ہم لوگ بدھی خصی کی جو قربانی کرتے ہیں وہ درست نہیں ہے اور شیعہ جو قربانی کرتے ہیں وہ بغیر بدھی خصی کی کرتے ہیں، وہ صحیح ہے اور اس کا یہ کہنا ہے کہ ہم لوگ جو بدھی خصی کی قربانی کرتے ہیں وہ اپنے ذائقہ کے لیے کرتے ہیں، کیوں کہ بدھی خصی کے گوشت میں کسی قسم کی مہک نہیں ہوتی اور بغیر بدھی کے گوشت میں مہک ہوتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آسان زبان میں اس مسئلہ کا جواب دیں تاکہ اس کے سمجھانے میں آسانی ہو اور اگر اس شخص کے بارے میں کوئی مسئلہ بنتا ہو تو اس کا بھی جواب لکھ دیں۔

الجواب

ہم اہلِ سنت و جماعت اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی پیروی میں خصی کی قربانی کرتے ہیں، چناں چہ مشکوٰۃ شریف میں قربانی کے بیان میں ہے:

”عن جابر قال ذبح النبي ﷺ یوم الذبح کبشین اقرئین املحین موجوئین.“

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیِ رحمت ﷺ نے عید اضحیٰ کے دن دو مینڈھے سینگ والے، چتکبرے، خصی کیے ہوئے ذبح کیے۔ (مشکوٰۃ، ص:۱۲۸، الفصل الثانی/باب فی الاضحیۃ، بحوالہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ و دارمی)

گوشت والے جانور میں خصی ہونا عیب نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ فربہ اور خوب صورت ہو جاتے ہیں اور ان کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے، جب کہ عیب کی وجہ سے عیب دار جانوروں کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔

الغرض جب خصی ہونا جانوروں میں عیب نہیں، اور اس کی وجہ سے وہ خوب صورت، فربہ اور بیش قیمت ہو جاتے ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے خصی کیے ہوئے جانوروں کی قربانی کی تو خصی جانور کی قربانی حضور ﷺ کی سنت کی پیروی ہوئی جو یقیناً مستحب اور باعثِ کثرتِ ثواب ہے جو شخص سنی اور اپنے عقیدہ کا ہونے کے باوجود یہ کہتا ہے کہ: ”ہم لوگ خصی کی قربانی اپنے ذائقہ کے لیے کرتے ہیں“ وہ بے علم شریعت کے امور میں دخل دیتا ہے، اسے یہ فتویٰ دکھائیں تاکہ وہ اپنے قول سے رجوع کرے، تائب ہو اور تصدیق کرے کہ ہم لوگ سنت کی پیروی میں ایسا کرتے ہیں، بے علم فتویٰ دینا ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسرے نکاح کے لیے پہلے شوہر سے طلاق لینا ضروری

میں سنجیدہ بانو بنت لال محمد محلہ نوشہرہ، جین پور، اعظم گڑھ یوپی کی باشندہ ہوں۔ میرا نکاح ۲۸/ جولائی ۲۰۰۸ء کو شکیل احمد بن وکیل احمد موضع محمد پور مٹھیاں تھانہ دریاپور ضلع چھپرہ بہار کے ہم راہ دو ہزار ایک سو روپے مہر غیر معجّل کے اسلامی طریقے کے مطابق ہوا تھا۔ تقریباً ایک سال تک ہم دونوں ساتھ رہے اور اسی درمیان ایک بچی کی ولادت ہوئی اور اس سال بھر میں نہ تو ساس سسر کا سلوک میرے ساتھ ٹھیک رہا اور نہ ہی میرے شوہر کا برتاؤ میرے ساتھ ٹھیک رہا، روزانہ گالی گلوج، شراب پی کر آنے کے بعد جھگڑا فساد، پورے محلے میں شور شرابا مچانا وغیرہ۔ میرے والد اگر سمجھانے کے لیے فون کرتے تو کہا جاتا کہ اگر تم یہاں آؤ گے تو ہاتھ پیر توڑ دیں گے اور بہت ہی نازیبا کلمات زبان سے بولا جو لائقِ بیان نہیں ہیں۔ ادھر میں پریشان تھی، ادھر میرے گھر کے لوگ پریشان تھے، پھر انھوں نے اپنے قریبی تھانہ میں رپورٹ درج کرائی کہ لڑکی جلنے اور مرنے کو کہہ رہی ہے، اگر ایسا کرتی ہے تو وہ خود ذمہ دار ہوگی جس سے ان کا منشا دنیاوی قانون سے بچنا تھا۔ بہر حال میرے والد ڈر سے وہاں نہیں گئے اور میرے ماموں جان ہتھیلی پر رکھ کر میری سسرال پہنچے، لیکن ان کے پہنچنے کی خبر پاتے ہی میرے ساس سسر گھر چھوڑ کر فرار ہو گئے، میرے ماموں مجھے لے کر مائیکے آ گئے، تقریباً ساڑھے تین سال سے والدین کی دہلیز پر ہوں۔ نہایت ہی ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں، جب کہ میرے شوہر شکیل احمد ولد وکیل احمد نے دوسری شادی کر لی ہے اور میں ۳/ سالہ بچی کے ساتھ مائیکے میں بیٹھی ہوں۔ ہماری کوئی خبر گیری نہیں اور میں اس وقت جوان ہوں، انسانی زندگی کے تقاضے سے آپ بخوبی واقف ہیں، اگر میرے پائے ثبات میں لغزش آئی تو اس کی ذمہ داری والدین کے ساتھ

معاشرے کے حساس افراد و علما و مفتیانِ کرام کی بھی ہوگی۔ لہٰذا آپ کی بارگاہ میں التماس ہے کہ میرے حالِ زار پر رحم کھاتے ہوئے قرآن و حدیث کے مطابق کوئی ایسا حل تلاش کریں جس سے مجھے ان ظالموں سے چھٹکارا مل جائے اور میں گناہوں سے بچ سکوں اور میرے والدین کا سکون و قرار بحال ہوجائے۔ فقط والسلام

الجواب

سنجیدہ بانو جب شکیل احمد کے نکاح میں ہے تو اس کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ حلال نہیں، جب تک کہ شکیل احمد اسے طلاق نہ دے دے، پھر عدت نہ گزر جائے۔ ارشادِ باری ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ

حرام کی گئیں تم پر شوہر والی عورتیں۔ (قرآن حکیم)

سنجیدہ کو اپنے شوہر سے شکایت ہے تو کچھ پنچ اس کی طرف سے اور کچھ اس کے شوہر کی طرف سے اکٹھا ہوکر ان کی باہمی رنجش کو دور کرنے اور اصلاح و نباہ کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زید نے اپنی بیوی کو صرف دو طلاقیں دیں

کسی معاملے کے تحت باپ بیٹے میں جھگڑا ہوگیا، دورانِ جھگڑا باپ نے کہا کہ اگر مجھ سے بدتمیزی کروگے تو تمھاری ماں کو چھوڑ دوں گا، ان بیٹوں نے گالی گلوج کرتے ہوئے کہا کہ چھوڑ دو تو دیکھیں، جس کے باعث باپ غصہ سے پاگل جیسا ہوگیا اور اسی شور وغل کے ماحول میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا۔ بعد میں سکون ہونے پر تفتیش کی گئی تو بیوی نے کہا، میں نے تو کچھ سنا ہی نہیں، باپ نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی بار کہا، ذہن پر زور دیتے ہوئے ایک یا دو بار کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے لڑکے نے کہا کہ تین بار کہا ہے، کچھ دنوں تک باپ اسی پس وپیش میں رہا کہ میں نے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے، لڑکے کے کہنے پر میں خاموش ہوں کہ شریعت کا معاملہ ہے، کہیں میں گنہ گار نہ ہوجاؤں، جب کہ جھگڑے کے دوران صرف اس کی فیملی کے لوگ تھے، باہری لوگ یا بھائی وغیرہ نہیں تھے، جتنی باتیں گزریں سب لڑکوں کے سامنے، ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

سائل محمد ابراہیم نے میرے سامنے بیان دیا کہ اسے یقین ہے کہ اس نے تین بار طلاق نہیں دی ہے، صرف دو بار طلاق دی ہے، لڑکا غلط بیان دے رہا ہے۔ جھوٹا ہے اسی سے میرا جھگڑا ہوا ہے اور اس نے مجھے مارا بھی۔ باپ کا بیان صحیح ہے تو لڑکے کا بیان قابلِ قبول نہیں، ایک تو اسی سے کہ باپ کو مارنے کی وجہ سے فاسق ہے، دوسرے تنہا ہے اور باپ کو تین طلاق نہ دینے پر یقین ہے، اس لیے حکم یہ ہے کہ محمد ابراہیم ولد محمد یاسین کی بیوی پر دو طلاقیں واقع ہوگئیں، اگر اس سے پہلے وہ کوئی اور طلاق نہیں دے چکا تو وہ عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے، یعنی دو دین دار مسلمانوں کے سامنے کہے کہ میں نے اپنی بیوی فلانہ سے رجوع کیا، اسے لوٹا لیا۔ ارشادِ باری ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ

اگر باپ یا بیٹا میں سے کوئی جھوٹا ہے تو اس کا وبال اس کے سر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرض کی ادائیگی کے لیے بھی جوا کھیلنا جائز نہیں

زید کا جوئے کا کاروبار ہے، اس سے وہ بچنا چاہتا ہے اور اس کے کاروبار میں اس کو نقصان ہونے کی وجہ سے بازار سے بڑا قرض لینا پڑا، لیکن وہ کاروبار کو بند کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، صرف وہ ادائے قرض کے لیے کاروبار چلا رہا ہے، اگر یہ کاروبار روک دے گا تو اس کے قرض کی ادائیگی نہ ہوسکے گی اور اس کاروبار سے جو وسیع شکل میں منافع آرہا ہے زید اس سے قرض کی بھرپائی کر رہا ہے، اس سے اپنی ذات اور اہل و عیال پر کچھ بھی خرچ نہیں کرتا، لہٰذا مذکورہ کاروبار اور اس کی رقم سے قرض کی ادائیگی کا ازروے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب

جوا بازی مطلقاً حرام و گناہ ہے، اگرچہ اس سے مقصود قرض کی ادائیگی ہو یا فقرا و مساکین کی مدد ہو یا مساجد و مدارس کی خدمت ہو کہ دوسرے کا مال بلا وجہ شرعی حاصل کرنا اور اسے کسی تصرف میں لانا حرام و گناہ ہے۔ قرآن حکیم میں جوا بازی کو مطلقاً حرام اور شیطانی کام قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری ہے: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ. (المائدۃ: ۹۰)

لہٰذا زید فوراً اس ناپاک کاروبار سے الگ ہوجائے اور سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر کے حلال کاروبار اختیار کرے، جن کا مال قرض میں جیتا ہے ان سب کا مال انھیں واپس کرے، زید کی یہ سوچ جو سوال میں مذکور ہے بہت غلط ہے، کیوں کہ قرض ادا کرنے کے لیے جوا کھیلنا چاہتا ہے، حالاں کہ جوئے میں جو کچھ جیت کر اپنے پاس رکھ لے گا وہ خود اس کے ذمہ صاحب کا مال قرض ہوجائے گا۔ اور اس پر فرض ہوگا کہ وہ پوری رقم اس کے مالک کو ادا کرے، اس لیے زید اپنی فکر سے باز آئے اور تائب ہوکر سب کے حقوق ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکر امروز

عالمی میڈیا میں نظریۂ جہاد کی بے حرمتی

اسلام مخالف عناصر اور نام نہاد جہادیوں کا مشترکہ کردار

غلام رسول دہلوی

آج مسلمانوں کے لیے اس سانحے سے برا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ذہنی و قلبی شر و فساد اور ہوائے نفس کے خلاف ایک مکمل پر امن روحانی جہاد (جہاد بالنفس) کے نظریہ کو عام شہریوں کے دردناک قتل سے تبدیل کر دیا جائے؟ غیر مسلموں کی بات تو چھوڑیں، آج مسلمانوں میں ہی ایک پڑھا لکھا طبقہ ایسا بھی ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں جن جن آیات جہاد کا ذکر ہے وہ "دفاعی جہاد" نہیں بلکہ "اقدامی جہاد" کے بارے میں ہیں۔ اسلام مخالف عناصر (Islamophobes) کی منظم و منصوبہ بند اور دانستہ علمی و فکری تحریف اور مسلمانوں کی طرف سے اسلامی معتقدات کی غلط ترجمانی کے نتیجے میں آج بین الاقوامی میڈیا میں جہاد کے نام پر انتہائی قبیح اور مکروہ تصورات فروغ پا چکے ہیں، جب کہ یہ سبھی جانتے ہیں کہ قرآن یا کسی بھی اسلامی ماخذ میں سرے سے ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔

اسلامی نظریۂ جہاد کو بدنام کرنے میں مسلم و غیر مسلم دونوں قسم کے انتہا پسندوں اور سخت گیر طبقوں نے بھرپور رول ادا کیا ہے۔ اس تعلق سے غیر مسلم انتہا پسندوں یا اسلام مخالف عناصر (Islamophobes) کی منظم و منصوبہ بند سازش کا ایک حالیہ نمونہ 'لو جہاد' کی بے بنیاد اصطلاح ہے۔ آج کل پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا میں "لو جہاد" کی لہر سی چلی ہوئی ہے۔ ہندو انتہا پسندوں کا دعویٰ ہے کہ "مسلم نوجوان ہندو لڑکیوں کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت محبت کے جال میں پھانستے ہیں، زبردستی ان کو اسلام میں داخل کرتے ہیں، ان سے شادی کرکے بچے پیدا کرتے ہیں اور پھر ان بچوں کو ہندوؤں کے خلاف تربیت دیتے ہیں تاکہ مستقبل میں بھارت کو ایک مسلم ریاست میں تبدیل کیا جا سکے۔" جب کہ یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طرح کے الزامات سراسر بے بنیاد اور غلط ہیں۔ ماضی میں بھی اس طرح کے واقعات کی چھان بین کی گئی تھی اور رپورٹ میں بھی اس کے الزام کے بے بنیاد ہونے کا اعتراف کیا جا چکا ہے۔ مشہور انگریزی اخبار "دی ہندو" کے ۱۳ نومبر ۲۰۰۹ کی اشاعت میں کرناٹک سی آئی ڈی کی جانب سے یہ رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے یہ اعتراف کیا تھا کہ غیر مسلم لڑکیوں سے مسلم لڑکوں کی شادی میں "لو جہاد" کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اسی طرح پولیس کے جانب سے بھی یہ اعتراف کیا گیا کہ اجتماعی یا انفرادی طور پر بھی اس طرح کی کوششوں کا کوئی وجود نہیں ملا۔ اپریل ۲۰۱۰ میں حکومت کرناٹک نے عدالت کو یہ رپورٹ بھی پیش کی تھی کہ "لو جہاد" جیسی کوئی چیز ریاست میں ہے ہی نہیں (دیکھیے: دی ہندو، ۲۳ اپریل ۲۰۱۰ء)۔ اس طرح ہندو انتہا پسند طبقہ "لو جہاد" کا غلط اور بے بنیاد نام ایجاد کرکے اسلام کے ایک مکمل روحانی تصور کو بدنام کر رہا ہے۔

نظریۂ جہاد کو بدنام کرنے میں اسلام کے نام نہاد پیروکاروں اور مسلم شدت پسندوں کا منفی رول بھی کچھ کم نہیں ہے۔ داعش، القاعدہ، طالبان، بوکو حرام، جبهة النصرة، إخوان المسلمين اور جہاد کا نعرہ لگانے والے دیگر دہشت گرد گروہوں کے شدت پسندانہ نظریات کو قریب سے بھانپنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی غیر اسلامی متشددانہ کارروائیوں کی توجیہ کے لیے اسلامی جہاد کے تصور کو بے جا استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا، ضروری ہے کہ اسلام میں جہاد کے واقعی معنی اور مفہوم کو پہچانیں اور اس کے بعد یہ دیکھیں کہ کیا فریضۂ جہاد اس طرح کے دہشت گردانہ اور تشدد پسندانہ اقدامات انجام دینے کا جواز فراہم کرتا ہے یا نہیں؟

قرآن کریم میں لفظ "جہاد" کے استعمال اور اس کے وسیع و ہمہ گیر معانی و مفاہیم سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ جہاد ہر قسم کی برائیوں کے خلاف ایک پر امن جدوجہد ہے جس کا آغاز خود اپنی انا اور نفسانی خواہشات کے خلاف جنگ سے ہوتا ہے۔ کلی طور پر جہاد کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے: جہاد اکبر اور جہاد اصغر۔ اسلام کی سربلندی اور کلمہ حق کی سرفرازی کی خاطر کفار و مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کو "جہاد اصغر" کہتے ہیں جبکہ روحانی و معنوی درجات کی بلندی کے لیے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو "جہاد اکبر" کہا جاتا

grdehlavi@gmail.com

ہے۔ جہاد کے اسی اعلی ترین درجہ کو بالفاظ دیگر ”جہاد بالنفس“ بھی کہا جاتا ہے جس کا ثبوت پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک حدیث سے ملتا ہے۔ ایک غزوہ سے واپسی پر حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ”اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔“ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا ”نفس سے مجاہدہ“۔ (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳)

جہاد بالنفس کا یہ اعلی ترین اسلامی و روحانی تصور نفس انسانی کو روحانی تسکین فراہم کرنے اور بڑے پیمانے پر اس دنیا میں امن قائم کرنے کا ذریعہ ہے جس کا قطعی طور پر تشدد اور انتہا پسندی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآن میں جہاد کا عام مفہوم کسی عظیم دینی واخلاقی مقصد کی خاطر کوشش اور جدو جہد کرنا ہے جیسا کہ خود قرآن کا فرمان ہے: ”اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم اُن کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے۔ اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے“ (۲۹:۶۹)۔ علما کا موقف یہ ہے کہ قتال (دفاعی جنگ) کی قرآنی اصطلاح جہاد کی ایک استثنائی صورت ہے جس کے سخت حدود اور شرائط ہیں جو کہ موجودہ دور میں مفقود ہیں۔ بہر کیف، جہاد بالنفس نفسانی خواہشات کے خلاف ایک عظیم ترین جہاد ہے اور اس پر اجماع امت بھی قائم ہے۔

لیکن جہاد بالنفس کے اس مفہوم پر مکمل طور پر علمائے اسلام کے درمیان اتفاق رائے کے باوجود آج چند ایسے خود ساختہ علماء دین ابھر کر سامنے آئے ہیں جو کھلے طور پر اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ جہاد بالنفس کا اصول بھی غیر مسلموں کے خلاف جنگ وقتال کے لیے ہی ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے غیر مقلد عالم مولانا محمد صدیق احمد لامبلیا کی کتاب ”آب حیات“ کو ہی دیکھ لیں۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں بڑی دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ جہاد بالنفس جیسے روحانی اور پرامن اسلامی نظریہ کو اس انداز میں توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے جو اہل علم کو چونکا دینے والا ہے۔ جہاد بالنفس کی بالکل ہی ضعیف و مردود اور ناقابل قبول توضیح پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”جہاد بالنفس:۔ اس سے مراد کفار کے مقابلے میں دین کی سر بلندی کے لیے جان کی قربانی پیش کرنا یا مشقت اٹھانا اور دین کی حمایت میں ہتھیار اٹھانا ہے گویا آدمی اپنی ذات یعنی نفس کو کفار کے مقابلے کے لیے میدان قتال میں دھکیل دے۔ یعنی حق اور باطل کے معرکوں میں اپنے نفس کو مکمل طور پر جھونک دے۔“

جہاد بالنفس سے متعلق اس بے بنیاد تشریح کو اپنی عجیب وغریب لغوی تحقیق اور ”نامانوس عربی دانی“ کا مظاہرہ کرتے ہوئے موصوف رقم طراز ہیں: ”جہاد بالنفس عربی کا کلمہ ہے اور بالنفس پر ”ب“ داخل ہے۔ گویا نفس کے ساتھ جہاد کرنا ایسا ہے جیسے بندوق یا کسی ہتھیار کو ساتھ لے کر جہاد کرنا۔ یعنی جتنے آلات حرب وضرب ہیں اس پر ”ب“ داخل ہونے کے بعد یہی مطلب ہوتا ہے کہ ان ہتھیاروں کے ساتھ مجاہد نے میدان جہاد میں کفار کا مقابلہ کیا اسی طرح جہاد بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ ”نفس“ یعنی جان کو کفار کے مقابلہ میں استعمال کیا جائے“۔

جہاد بالنفس کے اسلامی تصور کو مسخ کرنے کے اپنے مذموم مقصد میں مصنف نے پیغمبر اسلام ﷺ کے عزیز صحابہ کرام اور سلف صالحین کی عظمتوں کو بھی اپنی تحریر میں داغدار کر دیا۔ انہوں نے جہاد بالنفس کے متعلق اپنے غیر اسلامی نقطۂ نظر کی توثیق کا الزام خود ان پر لگایا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا حوالہ پیش کیا ہے جو کہ ایک عظیم محدث، ممتاز فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جلیل القدر صوفی بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اپنی کسی تصنیف میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ: ”مجاہد وہ ہے جو خود اپنے نفس کے خلاف جدوجہد کرتا ہے“۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ اس حدیث کی جس طرح موصوف نے تشریح کی ہے اس سے صاف عیاں ہے کہ وہ فن حدیث (بالخصوص نقل حدیث) میں ایک مستند اور غیر متنازع شخصیت جنہیں امیر المومنین فی الحدیث کے نام سے جانا جاتا ہے، کو بدنام کرنے پر مصر ہیں۔ مصنف نے ان پر الزام لگایا ہے کہ جہاد بالنفس کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ غیر مسلموں کے خلاف ایک مسلسل جنگ کا نام ہے۔ جس کسی کو بھی حضرت عبداللہ بن مبارک (رضی اللہ عنہ) کے افکار اور غیر مسلموں کے تئیں ان کی رواداری کے بارے میں ذرا بھی علم ہو گا وہ مصنف کی ایسی یاوہ گوئی کو ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ کا دل غیر مسلموں کے لیے اتنا سخت گیر کیوں کر ہو سکتا ہے وہ ان کے ساتھ دائمی جنگ کی بات کریں، جب کہ وہ اپنی پوری زندگی غیر مسلموں کے تئیں مشفق اور مہربان رہے؟ خود ان کا پڑوسی ایک یہودی تھا جسے وہ ہمیشہ اپنے بچوں کو کھانا

کھلانے سے پہلے کھانا کھلاتے تھے اور اپنے بچوں کو لباس پہنانے سے پہلے اسے لباس پہناتے تھے۔ ایک بار کچھ لوگوں نے اس یہودی کو اپنا گھر فروخت کرنے کے لیے کہا۔ اس پر اس یہودی نے کہا کہ ”میرا گھر دو ہزار دینار کا ہے ایک ایک ہزار میرے گھر کی قیمت اور ایک ہزار اس بات کی قیمت ہے کہ عبداللہ ابن مبارک جیسے انسان اس گھر کے پڑوسی ہیں۔“(لاتحزن، عائض القرنی، صفحہ: ۱۲۳)۔

یہ خوبصورت واقعہ یہ نتیجہ نکالنے کے لیے کافی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک کس قسم کے جہاد بالنفس پر یقین رکھتے تھے، وہ جہاد جو اپنے نفس کے خلاف جدو جہد اور نیک اعمال سے ہوتا ہے یا پھر وہ نظریہ جو جہاد کے نام پر غیر مسلموں کے ساتھ ایک دائمی جنگ پر منتج ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی روحانیت اور تصوف کے علم برداروں میں سے ایک تھے۔ تمام صوفیاء کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ جہاد اکبر رذیل خواہشات اور ہوائے نفس سے روح اور نفس کو پاک کرنا ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جہاد کے نام پر بے جا تشدد یا بے دریغ قتل کا کوئی بھی عمل آسائش جنت کا سامان نہیں بن سکتا۔ کوئی بھی انسان اپنے نفس کے خلاف جدو جہد کیے بغیر اصل مجاہد کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی امر کی تعلیم و تبلیغ صوفیاے کرام نے ہر زمانے میں کی۔

لیکن دور حاضر کے نام نہاد جہادی گروپس اور ان کے وہابی علما و مفکرین صوفیہ کرام پر جہاد بالنفس یا جہاد اکبر کی اختراع کا الزام لگا رہے ہیں۔ وہ یہ پروپگنڈہ کر رہے ہیں کہ صوفیوں نے اس داخلی جہاد (جہاد النفس) کا تصور اصلی خارجی جہاد کی اپنی مذہبی ذمہ داری سے جان چھڑانے کے لیے پیش کیا ہے۔ کتاب ”آب حیات“ کے مصنف اسی جھوٹے الزام کی طرف اپنے قارئین کی غلط ذہن سازی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اصل بات یہ ہے کہ خانقاہی نظام ایجاد ہی اسی لیے کیا گیا کہ اصلی جہاد کو ختم کیا جائے اور اسی وجہ سے ہمارے ملک کے تعلیمی نصاب میں بھی سب سے زیادہ زور تصوف کو دیا جاتا ہے اور نصاب تعلیم سے جہادی آیات اور اسباق کو چن چن کر نکالا جا رہا ہے تاکہ افغان جہاد کی بدولت جاگا ہوا مسلم پھر تصوف کے نشے میں سرشار ہو کر پھر خواب خرگوش میں چلا جائے۔“(http://www.urduweb.org)

یہ محض ایک مثال ہے اس حقیقت واقعہ کی کہ کس طرح انتہا پسند جہادی و وہابی علما جہاد اکبر کے عظیم اسلامی عقیدہ کا انکار شروع کر رہے ہیں اور صوفیہ کرام کے خلاف صرف اس لیے مہم چلا رہے ہیں کیوں کہ انہوں نے ان کے انتہا پسندانہ غیر اسلامی خونیں ”جہاد“ کو کبھی ”اسلامی جہاد“ نہیں بننے دیا۔

جہاد بالنفس کا انکار کرتے ہوئے بعض وہابی علما اس حد کو جا چکے ہیں کہ اس کی تائید میں جو بھی احادیث مروی ہیں انہیں وہ موضوع یا ضعیف قرار دینے لگے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ ان قرآنی آیات کی بھی غلط تفسیر و تاویل کر رہے ہیں جن سے جہاد بالنفس کے خوبصورت روحانی تصور کی تشکیل ہوتی ہے، حالاں کہ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر صراحت کے ساتھ نفسانی خواہشات کے خلاف روحانی اسلامی جہاد کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

”اور انسان کی اور اس کی جس نے اس (کے اعضا) کو برابر کیا، پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی، کہ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا، اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔“(91:7-10)

”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے تو کیا تم اس پر نگہبان ہو سکتے ہو۔“(۲۵:۴۳)۔

”.....اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔ تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے......“(۷:۱۷۶)۔

”اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔“ (79:40-41)

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ قرآن میں جہاد بالنفس کا حکم عطا کرنے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ چونکہ وہ تمام آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں اسی لیے ان میں سے کسی بھی آیت سے مسلح جہاد یا قتال (دفاعی اسلامی جنگ) کا حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ مدنی دور تک ایسا کوئی بھی حکم نازل نہیں کیا گیا تھا۔ واضح طور پر ان تمام آیتوں میں ہوائے نفس کے خلاف جدو جہد کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو در اصل جہاد اکبر (عظیم تر جہاد) یعنی جہاد بالنفس ہے۔

☆☆☆☆

ماہِ محرم الحرام اور عاشورہ کی فضیلت واھمیت

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

> حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میرے لیے دو مہک دار پھول کی طرح ہیں۔ (ارشادِ رسول ﷺ)

اسلامی سال کا پہلا مہینہ جسے محرم الحرام کہا جاتا ہے اپنے گوناگوں پیچ وخم، عشق ووفا، ایثار وقربانی اور بے شمار فضیلت ومرتبت کی دولتِ بے بہا سے معمور وسربلند ہے۔ محرم الحرام کے مہینے میں ایک دن ایسا بھی ہے جس کے مراتب وفضائل کلام الٰہی قرآن مجید واحادیث نبویہ اور سیرت و تاریخ کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ وہ دن ”یومِ عاشورہ“ کہلاتا ہے۔ ارشادِ باری ہے پارہ ۱۰ سورہ توبہ آیت نمبر ۳۶ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔ ترجمہ: بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔ اللہ کی کتاب میں جب سے آسمانوں اور زمین کو بنایا، ان میں سے چار مہینے حُرمت والے ہیں۔ یہ سیدھا دین ہے، تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قمری سال کے مہینوں کی تعداد کا ذکر فرمایا اور حُرمت کا اعلان فرمایا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ بلاشبہ اللہ نے مہینوں کی تعداد بارہ ہی مقرر فرمائی ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ایسے ہیں جن کو اللہ نے خصوصی فضیلت اور حرمت (بڑائی) سے نوازا ہے ان چار مہینوں کو حرمت والے مہینوں کا نام دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فتح مکّہ سے قبل جب مسلمان مدینہ منورہ پہنچنے لگے تو کہنے لگے کہ کہیں مکہ کے کافر حرمت والے مہینے میں ہمارے ساتھ جنگ نہ شروع کردیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا نازل فرمائی۔

خطبہ حجتہ الوداع: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن ۱۰ ذوالحجہ کو خطاب کیا اور فرمایا: زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آگیا، جس ہیئت (حالت) پر آسمان و زمین کی پیدائش کے دن تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے، جن میں سے چار حُرمت (بڑائی) والے ہیں۔ تین پے در پے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام اور ایک رجب المرجب (تفسیر مظہری جلد ۵ صفحہ ۲۷۲۔ تفسیر روح البیان جلد ۳ صفحہ ۴۲۱) یومِ عاشورہ کا لفظی معنیٰ دسواں دن یا دسویں تاریخ ہے۔ مگر اب عرف عام میں یومِ عاشورہ کا اطلاق محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو ہوتا ہے جس دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ۷۲ نفوس قدسیہ کے ساتھ مذہب اسلام کی خاطر راہ خدا میں جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔

یوم عاشورہ کے فضائل: یومِ عاشورہ کے فضائل کے تعلق سے صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر غالب گمان ہے کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اسی فضیلت کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ماہِ رمضان کے علاوہ روزہ رکھنا چاہتے ہو تو عاشورہ کا روزہ رکھو کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی فضیلت قرآن پاک میں آئی ہے اور اس مہینہ میں ایک دن ایسا بھی ہے جس میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور دوسری قوم کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو اس بات کی طرف رغبت دلائی کہ وہ یومِ عاشورہ کو (توبتہ النصوح) کی تجدید کریں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ استغفار کی قبولیت کے لئے خوب گڑگڑائیں۔ کیوں کہ اس دن جس نے بھی اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ جس طرح اس سے پہلے والوں کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ یومِ عاشورہ پر بزرگانِ دین کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ یومِ عاشورہ اپنی بے شمار

نعمتوں اور ان گنت فضیلتوں سے مالامال ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دن کو متبرک اور بہت خیر و برکت والا بتایا ہے۔ اس کا اندازہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ کی کتاب "ماثبت بالسنۃ" جس میں آپ لکھتے ہیں کہ:

"ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر فرمایا کہ محرم کی دسویں تاریخ ایسی منفرد اور بے مثال تاریخ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ☆ اس دن ان کو جنت میں داخل کیا اور اسی دن ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی دن عرش و کرسی، جنت و دوزخ، زمین و آسمان، چاند و سورج، لوح و قلم کو پیدا فرمایا۔ اور بعض علمائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ یوم عاشورہ کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن دس انبیائے کرام علیہم السلام کو دس عظمتوں سے نوازا۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۵۵)

یومِ عاشورہ کا دوسرا نام: یومِ عاشورہ کو "یومِ زینت" بھی کہا جاتا ہے اور اس دن کا یہ نام حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَامَ يَوْمَ الزِّيْنَتِ اَدْرَكَ مَا فَاتَهُ مِنْ صِيَامِ السَّنَةِ. ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے یوم زینت یعنی یومِ عاشورہ کا روزہ رکھا اس نے اپنے باقی سال کے فوت شدہ کو بھی پالیا۔ (غنیۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۵۴، ماثبت من السُّنَّۃ صفحہ ۱۰)

یومِ عاشورہ کے اہم واقعات: اللہ تعالیٰ نے اس دن آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی ☆ حضرت ادریس علیہ السلام کو اس روز مقامِ بلند کی طرف اُٹھالیا ☆ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس روز جودی نامی پہاڑ پر ٹھہری تھی ☆ اسی روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا اور انہیں اسی روز نارِ نمرود (آگ) سے محفوظ فرمایا ☆ اسی روز حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ ☆ اسی روز حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکومت واپس ملی ☆ اسی یوم عاشورہ کو ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور فرمایا ☆ عاشورہ کے دن ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سلامتی سے سمندر پار کرایا اور فرعون کو غرق کر دیا تھا۔ ☆ یہی دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات عطا فرمائی تھی ☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا تھا ☆ اسی دن حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹائی گئی اور بنی اسرائیل کے لیے دریا میں راستہ اسی دن بنایا گیا تھا۔ ☆ آسمان سے زمین پر سب سے پہلی بارش یومِ عاشورہ کو ہی نازل ہوئی تھی حتیٰ کہ حدیث پاک کے مطابق قیامت بھی اسی دن آئے گی، اسی دن کا روزہ بھی پہلے فرض تھا اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرت سے پہلے اسی دن کا روزہ رکھا اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اس دن کا روزہ رکھا تو وہ چالیس سال کا کفارہ ہوگا اور جس نے عاشورہ کی رات عبادت کی گویا اس نے ساتوں آسمان والوں کے برابر عبادت کی۔ ☆ اسی یوم عاشورہ کے دن قریش خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے تھے اور اسی یوم عاشورہ کے دن کوفی فریب کاروں نے نواسہ رسول ﷺ و جگر گوشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کربلا میں شہید کیا۔ اپنے وقت کے نابغہ روزگار و مایہ ناز فقیہ حضرت ابراہیم ابن محمد کوفی نے فرمایا کہ جس نے یوم عاشورہ کو اپنے عزیز و اقارب واہل وعیال کو خوش رکھا اور ان پر خوش دلی اور دریا دلی کے ساتھ خرچ کیا تو اللہ پاک پورے سال کو اسکے لیے خیر و برکت و فراخی رزق مقرر فرما دیتا ہے۔ مفسرین فقہا و علما فرماتے ہیں کہ عاشورہ کے دن اگر کسی شخص نے یتیم و مسکین کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے بالوں کی مقدار کے مطابق ثواب عطاء فرمائے گا۔

(نزھۃ المجالس صفحہ ۳۴۷ جلد اول۔ غنیۃ الطالبین جلد دوم صفحہ ۵۵)

یومِ عاشورہ کے اعمال: یومِ عاشورہ کا روزہ بہت فضیلت رکھتا ہے۔ یومِ عاشورہ کا روزہ اسلام سے قبل اہل مکہ اور یہودی لوگ بھی رکھا کرتے تھے۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "قریش زمانہ جاہلیت میں یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے آپ ﷺ بھی زمانہ جاہلیت میں اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب حضور نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے، تب یومِ عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا، جس کا جی چاہے وہ یوم عاشورہ کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے چھوڑ دے، چناں چہ حضور ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ عاشورہ کے دن انبیائے کرام روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضور محسن کائنات ﷺ نے اپنی امت کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور فرمایا نو، دس کا رکھو یا دس، گیارہ کا رکھو۔

صُوْمُوا يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ يَوْمَ كَانَتِ الْاَنْبِيَآءُ تَصُوْمُهُ (ترجمہ): عاشورہ کے دن کا روزہ رکھو، کیونکہ یہ وہ دن ہے کہ اس کا روزہ انبیائے کرام رکھتے تھے۔ (الجامع الصغیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۵)

یومِ عاشورہ کا روزہ رکھنا حضور ﷺ کے عام معمول میں شامل تھا اور آپ اس دن کا روزہ خاص اہتمام کے ساتھ رکھتے تھے۔ ایک

حدیث پاک میں حضور نبی ﷺ کے چار معمولات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ انہیں کبھی ترک نہ فرماتے تھے۔ ان چار معمولات میں ایک یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا بھی ہے۔ روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ چار چیزیں ایسی تھیں جنہیں حضور ﷺ نے کبھی ترک نہیں کیا۔ یومِ عاشورہ کا روزہ اور ذوالحجہ کا عشرہ یعنی پہلے نو دن کا روزہ اور ہر ماہ کے تین روزے (یعنی ایام بیض) کے روزے اور فرض نماز فجر سے پہلے دو رکعت (یعنی سنتیں) (رواہ النسائی و مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۰)

جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اسے ایک ہزار شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق ساتوں آسمانوں میں بسنے والے فرشتوں کا ثواب ملتا ہے۔ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ۶۰ (ساٹھ) سال کی صوم و صلوٰۃ کی صورت میں عبادت کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۵۳)

یوم عاشورہ میں دسترخوان وسیع کرنا:

عاشورہ کے دن سخاوت کرنا یعنی غریب پروری کرنا، اپنے گھر کے دسترخوان کو وسیع کرنا، گھر والوں پر خرچ کرنا رزق کے اندر وسعت و فراخی کا باعث بنتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے عاشورہ کے دن اپنے اہل و اعیال پر نفقے (خرچ) کو وسیع کیا اللہ پاک سارا سال اس پر رزق کی وسعت فراخی (زیادتی) فرماتا ہے۔ حضرت صفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا تو اسے بالکل ایسے ہی پایا۔
(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۰ غنیۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۵۴)

کشادگی رزق والی حدیثیں مختلف روایتوں کے ساتھ ملتی ہیں۔ روایات کی کثرت اس حدیث مبارکہ کی صحت کو ثابت کرتی ہیں۔

یومِ عاشورہ اور واقعہ کربلا: یومِ عاشورہ ماہِ محرم الحرام کا دسواں دن مندرجہ بالا فضیلتوں و باتوں کے برعکس اپنے اندر ایک بالکل مختلف پہلو بھی رکھتا ہے۔ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ اسی دن سرور کائنات ﷺ کے چھوٹے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدان کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ نہایت شفقت آمیز لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ "حسن اور حسین میرے لیے دو مہک دار پھول کی مانند ہیں"۔

حضور ﷺ کے اتنے زیادہ محبوب ان دونوں نواسوں میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کے وفات کے کم و بیش ۵۰ سال کے عرصہ کے بعد ۶۰ ہجری میں ۱۰ محرم الحرام کو شہید کر دیا گیا دسویں محرم یعنی عاشورہ کے دن نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی مٹی شیشی کے اندر خون ہوگئی۔ ترمذی شریف جلد دوم میں ہے کہ دس تاریخ کو ایک عورت حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں مدینہ شریف کے اندر حاضر ہوئی اس نے دیکھا حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اشک بار ہیں عورت نے رونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بیان کیا کہ میں نے ابھی ابھی خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کے سر اور ریش مبارک (داڑھی) مبارک گرد و غبار سے اٹے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا بات ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ابھی میں کربلا سے آرہا ہوں آج میرے حسین کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے وہ مٹی یاد آگئی جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کے وقت حضرت جبریل امین نے میدان کربلا سے لاکر حضور ﷺ کو دی تھی اور نبی ﷺ نے وہ مٹی مجھے دے کر فرمایا تھا کہ "اے اُم سلمہ اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھو، کیوں کہ جس دن میرا حسین شہید ہوگا یہ مٹی بھی خون ہو جائے گی۔" آج جب میں نے دیکھا تو وہ مٹی خون ہو چکی ہے جسے میں نے ایک شیشی کے اندر سنبھال کر رکھا تھا۔

کیسا تھا وہ برگزیدہ اللہ کا بندہ جس نے باطل حکمرانوں کے آگے سر نہ جھکایا بے یار و مددگار ہو جانے کے باوجود اللہ کے شیدائی نے محض اپنے رب سے لو لگائے ہوئے شہید ہو جانے کو نہایت جواں مردی کے ساتھ قبول کر لیا اور اپنے بعد آنے والی اُمت کے سامنے یہ مثال پیش کر دی کہ باطل قوتیں اور طاغوتی طاقتیں اس لیے نہیں ہوا کرتیں کہ امت مسلمہ کا کوئی فرد ان سے خوف کھا کر ان کے سامنے جھکنے کو تیار ہو جائے یا گوارا کر لے۔ امت مسلمہ کے ہر فرد کا یہی عمل ہونا چاہیے کہ وہ باطل سے لڑ کر حق کی سربلندی کی تگ و دو میں لگا رہے اور خالق کائنات کے آگے سربسجود ہو جائے۔

واقعہ کربلا کے اس واضح پیغام سے ہمیں اپنے آپ کو مالا مال کرنا چاہیے اور اس تاریخ ساز مبارک دن کو کھیل تماشہ میں نہیں گذارنا چاہیے۔ کیوں کہ اس دن کو ایسی ذات سے نسبت ہے جس کی قربانی ملتِ اسلامیہ کو درس عبرت دیتی ہے کہ اپنے نظام حیات کے اصولوں پر قائم و ثابت قدم رہیں اور اللہ کی بارگاہ میں یقین و ایمان، جذبہ ایثار، اور امید و رضا کے عظیم سرمایہ حیات کو پیش کرتے رہیں کیونکہ اس میں کامیابی و کامرانی کے راز مضمر ہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو یوم عاشورہ و واقعہ کربلا شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ میں صحیح سوچ اور صحیح فکر عطا فرمائے آمین! اور ہم گناہ گاروں کو راہِ راست و راہِ اعتدال پر قائم و دائم فرمائے۔ آمین! ثم آمین! ☆

بنگال اور اسلام-ایک تاریخی جائزہ

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

بنگال برصغیر ہند کے ایک اہم مشرقی صوبہ کا نام ہے جو اپنے ماحول و معاشرہ ، زبان و کلچر ، تہذیب و تمدن ، سر سبز علاقوں ، ہرے بھرے جنگلات اور پھیلے ہوئے دریائی نظام کے سبب نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ بنگال مشرقی اور مغربی دو خطوں پر مشتمل ہے مشرقی خطہ کا مرکزی مقام "ڈھاکہ" اور مغربی خطہ کا کلکتہ (کولکاتا) ہے۔ بنگال کے مشرقی خطہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، تقسیم ہند کے بعد یہی خطہ مشرقی پاکستان بنا اور آج بنگلہ دیش کی شکل میں ایک آزاد اسلامی مملکت کے نام سے موجود و متعارف ہے ، بنگال کا مغربی خطہ جسے مغربی بنگال کہا جاتا ہے آج بر صغیر ہند کا ایک اہم صوبہ کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے ۔ ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کے سلسلے میں بنگال دو حصوں مشرقی اور مغربی میں تقسیم کر دیا گیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ مگر ہمارے اس مضمون میں خصوصی طور پر سرزمین بنگال میں اسلام کی آمد اور فروغ اسلام کے اسباب و عوامل سے گفتگو کی گئی ہے جس کا تعلق مشرقی اور مغربی دونوں ہی خطے سے ہے۔

بنگال برصغیر کے ان خطوں میں شامل ہے جہاں اسلام کی آمد آج سے ایک ہزار سال سے بھی قبل ہوئی تھی ابتدائی تعلق عرب تاجروں کے ذریعہ قائم ہوا پھر ترکوں کی فوجی کاروائیوں ، صوفیائے کرام کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں اور ترک ، افغان اور مغل حکمرانوں کے زیر اقتدار اسلامی اثرات کا سلسلہ بتدریج بنگال کے علاقوں میں مستحکم ہوتا گیا۔

اسلامی عہد تک بنگال کی ایک منفرد شناخت قائم ہو چکی تھی، یہ علاقہ تین مذاہب کی سرزمین رہا۔ بودھ، ہندو اور اسلام، تینوں کے تہذیبی اور ثقافتی اثرات آپس میں شامل ہوئے بہت حد تک اس سے رواداری اور تحمل پسندی کو فروغ حاصل ہوا، عہد وسطی میں یہ علاقہ ویشنو بھکتی کے عروج کا ایک مرکز رہا اور چیتینہ کے زیر اثر ایک منظم مذہبی اور معاشرتی اصلاحی تحریک کو فروغ ہوا جس کے اثرات آج بھی مغربی بنگال کے بعض علاقوں میں واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ بنگال کی اس مشترکہ تہذیبی ورثہ کے ارتقا میں عہد اسلامی کے حکمرانوں نے بھی کلیدی حصہ ادا کیا، سنسکرت کی شہرہ آفاق تصنیفات "رامائن" اور "مہابھارت" کا بنگلہ میں ترجمہ بھی اولاً اسلامی عہد میں ہوا اس کے بعد ویشنو بھکتوں نے اس زبان کو خواص و عوام دونوں کے درمیان مقبول بنایا، اس بات کا اعتراف مشہور ماہر لسانیات "پروفیسر سنیت کمار چٹرجی" نے بھی اپنے ایک بیان میں کیا ہے۔ (۱)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بنگال اکثر دہلی کے سلاطین کے زیر اقتدار نہیں رہا، ہندوستان میں مغلوں کی آمد کے وقت بھی ان کی شدید ترین مخالفت مشرقی ہندوستان بنگال و بہار میں ہی ہوئی، اکبری عہد میں مغلوں نے بنگال پر تو فتح حاصل کی مگر اورنگ زیب کے زمانہ میں ہی بنگال تقریباً نیم آزاد ریاست بن گیا، مرکز سے علاحدگی کی اس روایت نے بنگال کی انفرادی شناخت کو بہت تقویت پہنچائی۔ (۲)

عمومی طور پر اگر دیکھا جائے تو بنگال کی تہذیب و تمدن کے بیشتر مراحل عہد اسلامی میں ہی وقوع پذیر ہوئے اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو عہد اسلامی کا بنگال، بنگال کی تاریخ کا ایک انتہائی اہم باب ہے۔

ذیل کے سطور میں ہم برصغیر کے اس مشہور و معروف خطہ "خطہ بنگال" کی قدیم مختصر تاریخ، بنگال کی قدیم اسلامی آبادیاں ، بنگال کے قدیم ادیان و مذاہب ، مسلمانوں کی آمد سے قبل بنگال کے غیر مسلم حکمراں اور ان کی مدتہائے حکومت ، اسلام کی آمد سے قبل بنگال کی مذہبی اور سماجی صورتحال، اسلام کی آمد سے قبل عرب و ہند کی روابط ، بنگال اور اس کے اطراف میں اسلام کی آمد، بنگال میں فروغ اسلام کے تاریخی اسباب اور بنگال کی قدیم عقائد و تہذیبی زندگی پر مذہب اسلام کی تعلیمات کے اثرات جیسے اہم پہلوؤں پر مختصر طور پر روشنی ڈالیں گے۔

بنگال کا جغرافیہ: برصغیر ہندوستان کے مشرقی صوبے کا نام بنگال ہے جو شمال میں کوہ ہمالہ اور جنوب میں خلیج بنگال تک پھیلا ہوا ہے مشرق میں برہم پترا کا نگساسر تک اور ساجوک دریاؤں سے لے کرناگر، براکر، سورنا ریکھا کے نشیبی حصے تک یہ مغرب میں پھیلا ہوا ہے اس کے پورے رقبہ کی سطح جو ہرے بھرے دریاؤں اور ان کے دہانوں سے ڈھکی ہوئی ہیں

استاذ و مفتی ادارۂ شرعیہ اترپردیش، رائے بریلی
kamalmisbahi786@gmail.com

۵۲۱،۷۷ مربع میل ہے۔

بنگال کی آبادی: متحدہ ہندوستان کی تقسیم سے قبل یہاں کی آبادی کی مجموعی تعداد تقریبًا ساٹھ ملین (چھ کروڑ) تھی،مشرقی اضلاع میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ہے اور مغربی اضلاع میں ہندو آبادی زیادہ ہے۔

بنگال کا دریائی نظام: بنگال کی سب سے ممتاز طبعی خصوصیت اس کا دریائی نظام ہے یہ دو بڑے دریا گنگا اور برہمپترا بنگال کی ترقی میں زبردست رول ادا کرتے ہیں، دریا کے بہاؤ کے راستے میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان کی وجہ سے پوری قوت سے آبادی میں ترقی کرنے والے شہر آباد ہوئے اور نہایت فروغ ہونے والے تجارتی مراکز قائم ہوئے ،بنگال کے دریائی نظام نے بنگال کی تاریخ میں بڑا اثر ڈالا ہے۔

بنگال کی آب و ہوا: بنگال کی آب و ہوا اعتدال کے قریب قریب ہے، سمندر قریب ہونے کی وجہ سے اور کثرت بارش کے سبب یہ خطہ بہت مرطوب ہے، بنگال میں برسات جون یعنی ہندی ماہ جیٹھ سے شروع ہوجاتی ہے اور چھ مہینوں تک بارش کا سلسہ جاری رہتا ہے بخلاف ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے وہاں جولائی یعنی ہندی مہینہ اساڑھ (کنوار) سے برسات شروع ہوتی ہے اور پوس تک چار مہینے موسم برسات رہتا ہے۔

بنگال کی پیداوار: بنگال کا قدیم نام، بنگال کی وجہ تسمیہ اور بنگال کے قدیم باشندوں کے تعلق سے چند سطور صفحہ قرطاس کیے جاتے ہیں۔

ان میں بنگ پورب کی جانب سے آئے تھے جس کو مشرقی بنگال کہتے ہیں اور وہاں سکونت اختیار کرلی، ان کے نام پر اس جگہ کا نام بنگ ہوا پھر رفتہ رفتہ مشرقی اور مغربی پورے حصے کو بنگال کہا جانے لگا۔ (۴)

بنگال کے قدیم باشندے: بنگال کے ابتدائی باشندے مختلف النسل اور مختلف تہذیب کے مالک تھے ،اور یہ دونوں لحاظ سے اس آریہ خاندان سے بالکل مختلف تھے جس نے وید لٹریچر کی تدوین کی بنگال کے ہندو باشندوں میں شمالی ہند کی موجودہ ذاتوں کے ساتھ ساتھ سات ذاتیں اور ہیں جو بنگال سے خاص تعلق رکھتی ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) برہمن (۲) کائستھ (۳) سادگوپ (۴) کیوارتا (۵) راج بنسی (۶) پوڈ (۷) بگڈی

کائستھ ،سادگوپ اور کیوارتا تو بنگال کی خاص ملکی ذاتیں ہیں، تاریخی تجزیہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ بنگال کے اونچے طبقہ والوں نے ایک ممتاز نسلی وحدت کی شکل اختیار کرلی اور مختلف تاریخی ادوار میں نہایت ہلکی تبدیلیاں (بنگال کے ان اصلی اور قدیم قبیلوں کے باہمی تعلقات و روابط سے جو ان کے گرد و پیش آباد تھے) ان لوگوں میں پیدا ہوگئیں جو ہندوستان کے بالائی حصہ سے نقل مکانی کرکے وارد بنگال ہوئے تھے، یہی حال بنگال کے برہمنوں کا بھی ہوا کہ یہ شمالی ہند کے برہمنوں کے برعکس اپنے پڑوسی بنگال کے غیر برہمنوں سے بھی رشتہ ناطہ اور شادی بیاہ کرنے لگے۔ (۵)

بنگال کے قدیم ادیان و مذاہب بنگال کے قدیم مذاہب درج ذیل ہیں: (۱) وشنودھرم (۲) شیودھرم (۳) جین مت (۴) بودھ مت

وشنودھرم آٹھویں صدی میں "وشنوازم" کو بنگال میں ترقی ہوئی ،بنگال میں وشنودھرم کا ثبوت رادھا کرشنا طریقہ پرستش سے ملتا ہے، یہ بارہویں صدی عیسوی تک "جایادیو" کے زمانے تک بنگال میں قائم رہا۔

شیودھرم مشرقی ہندوستان میں یہ دھرم ورمٹیاؤں اور نیچ ذاتوں نے جو ویدک دھرم کے قوانین میں اپنی کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے قبول کیا تھا ،اس دھرم میں خدا کا تصور رنگین طریقہ میں پیش کیا گیا تھا، خدا کو مختلف اور متنوع ناموں سے یاد کرکے مرادیں مانگی جاتی تھیں۔

مشرقی ہندوستان کے دو راجہ "کرناشوانا" اور کامروپ کے حکمراں "سکراورما" ،جو ساتویں صدی میں گزرے ہیں شیوازم کے بڑے حامی تھے پہاڑپور میں اب بھی شیو کے بہت سے قدیم اور جدید بت موجود ہیں جو شیو کی پوجا کا ثبوت پیش کرتی ہیں، پالاؤں اور سینوں کے عہد حکومت میں بھی شیو کی پرستش کا ثبوت ملتا ہے۔

جین مت جین مت بھی بودھ مت کی طرح مشرقی ہندوستان میں پیدا ہوا کیوں کہ اس مت کا بانی مہابیر ویشالی کے پڑوس میں پیدا ہوا اور اس نے اپنا مذہبی زمانہ مگدھ بہار میں گذارا۔

جین مت کا قدیم نام 'نرگرنتھ' تھا اور اسی نام سے گیتا عہد تک جینی فرقہ متعارف تھا 'نرگرنتھ' پنڈرا وردھن (pandaravardhan) میں اشوک کے عہد حکومت میں قائم ہوا، نرگرنتھوں نے اپنا ایک حکمراں مذہبی طبقہ، شمالی جنوبی اور مشرقی بنگال میں ساتویں صدی عیسوی میں پیدا کرلیا تھا جین مت بنگال کی سرزمیں سے غائب ہوگیا تھا لیکن جب مغربی ہندوستان سے برہمنوں کے ظلم وتشدد سے نجات پانے کے لیے کچھ لوگ ترک وطن کرکے بنگال پہنچے تو انہوں نے اس مذہب کی جدید تشکیل و اقامت کی اور بعد کو اس کا نام 'جین مت' رکھا گیا اور اس کے بعد شمالی بنگال میں مسلمانوں کے عہد میں جدید جین مت دوبارہ رواج پذیر ہوا اور خالص نرگرنتھ (قدیم جین مت) مختلف مذہبی فرقوں میں ضم ہوگیا۔ (۶)

بودھ مت بعض تاریخی آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اشوک سے قبل شمالی بنگال میں اس کی داغ بیل ڈال دی گئی تھی، دوسری صدی میں 'بودھ زم' کا بنگال میں وجود ہو چکا تھا اور گپتا عہد حکومت کے ابتدائی دور میں 'بودھ مت' بنگال کے مختلف شہروں میں فروغ پانے لگا، راج محل (جو اس وقت بنگال میں تھا) میں بودھ دھرم کی سات خانقاہیں تھیں جہاں تقریباً تین سو راہب رہتے تھے اور پنڈرا وردھن pandara vardhan میں بھی بودھ مت کی بیس خانقاہیں تھیں جن میں تقریباً تین ہزار بھکشو رہتے تھے، مشرقی بنگال کا فرماں رواں خاندان، بودھ مت سے خاص طور پر منسلک تھا، بودھ مت کے دو فرقوں "چھاوا گیا" اور "دیودتا" کے پیروؤں نے بنگال کو خاص طور سے اپنی مستقل اقامت گاہ بنالیا تھا۔ (۷)

بنگال کی کچھ خاص قدیم اسلامی آبادیاں: بنگال کی قدیم اسلامی آبادیاں تو بہت زیادہ ہیں ان میں سے چندان مشہور اسلامی آبادیوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق اس وقت مغربی بنگال سے ہے۔

پنڈوہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں پنڈوہ کا نام اس وقت سے آتا ہے جب کہ ۷۵۴ھ/۱۳۵۳ء میں "حاجی الیاس" حاکم بنگال بادشاہ دہلی "فیروز شاہ" سے باغی ہو کر اپنا نام "لقب، سلطان شمس الدین" رکھا، اور بنارس تک تمام علاقے اپنے قبضہ و تصرف میں کر لینے کے بعد پنڈوہ کو اپنا دارالحکومت بنایا، شاہ دہلی اس کی گوشمالی کے لیے پنڈوہ پہنچا بالآخر سخت جنگ کے بعد صلح ہوئی اور بادشاہ نے قیمتی تحائف و نذرانے کے ساتھ دہلی کے جانب مراجعت کی۔ (۸)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں پنڈوہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:

"یہ مغربی بنگال کے صوبہ مالدہ کا ایک ویران شہر ہے، یہ کسی زمانے میں مسلمانوں کا دارالسلطنت تھا، یہ مالدہ کے شمال مشرق میں سات میل پر ہے، اور دوسرے ویران شہر گوڑ" (لکھنوتی) سے تقریباً بیس میل پر واقع ہے گوڑ کی آب و ہوا خراب ہونے کی وجہ سے اس کو نئے مرشد آباد مرشد آباد دریائے بھاگیرتی کے ساحل پر واقع ہے، دریا کے دونوں کناروں پر آبادی ہے، ایک سوداگر "مخصوص خاں" نامی نے ایک سرائے یہاں بنائی اور اس کا نام "مخصوص آباد" رکھا پھر "اورنگ زیب عالمگیر" کے عہد حکومت میں "نواب جعفر خاں نصیری" کو جب بنگال اور اڑیسہ دونوں کی ذمہ داری ملی اور دیوان کے ساتھ ساتھ "مرشد قلی خاں" کے خطاب خلعت فاخرہ، علم، نقارہ اور ترقی منصب سے سرفراز ہوئے تو مخصوص آباد اور اپنے خطابی نام پر اس شہر کا نام "مرشد آباد" رکھا۔ (۱۱)

یہاں کی عمارتوں میں قابل ذکر کوئی چیز نہیں ہے البتہ صرف ایک امام باڑہ نواب سراج الدولہ کا تعمیر کردہ موجود ہے، جو تعریف و توصیف سے بالکل مستغنی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کے مانند حسین و جمیل پورے ہندوستان میں کوئی عمارت نہیں ہے لیکن حوادثات زمانہ کے تھپیڑوں سے اس عمارت کا اب عشر عشیر بھی باقی نہ رہا لیکن اس نمونہ کا ایک جز بھی گویا پوری یادگار ہے۔

کلکتہ عہد گذشتہ میں کلکتہ محض ایک گاؤں تھا "کالی" نام ایک بُت کے تمام مصارف جس کا مندر وہاں ہے اس گاؤں سے متعلق تھے بنگلہ زبان میں "کرتا" اور "کتا"، مالک اور خداوند کے معنی رکھتے ہیں اسلیے وہ گاؤں "کالی کتا" کے نام سے موسوم ہوا (یعنی اس کی مالک کالی) رفتہ رفتہ زبانوں کے تصرف و تغیر سے الف اور یا حذف ہو گئی اور لوگ "کلکتہ" کہنے لگے اور اب "کولکاتا" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

"نواب جعفر علی خاں" کی عہد نظامت میں "شہنشاہ عالمگیر" کی اجازت سے انگریزوں نے "ایسٹ انڈیا کمپنی" نام سے یہاں ایک کوٹھی تعمیر کی اور بنگال کے تجارتی کاروبار کا سلسلہ جاری کیا اور اب وہی کوٹھی خاص تاریخی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ یہی کوٹھی انگریزوں کی ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

بنگال کی قدیم مختصر تاریخ: چار سو سال قبل مسیح کی تاریخ بنگال بالکل تاریکی ہے اس کے بعد بنگال میں گپتا راجاؤں کی حکومت کا تاریخی دور آتا ہے پھر بنگال کی قدیم خود مختار حکومتیں منصۂ شہود پر آتی ہیں، جن میں "سماٹاٹا" اور "وانگا" خاص طور پر قابل ذکر ہیں پھر "گوڑ" کی حکومت شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد "ساسنکا" کا دور آتا ہے۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل بنگال کے غیر مسلم حکمراں:

پال خاندان کی حکومت قدیم بنگال کی تاریخ کا نمایاں دور "پال خاندان" کی حکومت سے شروع ہوتا ہے "پال خاندان" کی حکومت کے ممتاز دور کا ثبوت عرب سیاحوں کے بعض بیانات سے بھی ملتا ہے جن میں مسلمان تاجر اور مسعودی خاص طور پر قابل ذکر ہے

پال خاندان کے سلسلہ حکومت کے اول حکمراں دھرم پال نے (۷۷۰-۸۱۰ء) تک حکومت کی اس کے بعد اس کے بیٹے دیوپال نے (۸۱۰-۸۵۰ء) تک نہایت شاندار حکومت کی اس کے عہد حکومت میں مشرقی بنگال اس کی راجدھانی تھی، اس کے بعد پھر اس خاندان کے عروج و زوال کا دور آیا اور اس سلسلہ حکومت کے حکمراں مہاپال کے ہاتھ میں

زمام حکومت آتی ہے اور حکومت سنبھالا لیتی ہے، مہاپال (۱۰۷۵۔ ۱۰۷۰ء) تک حکومت کرتا ہے اس کے بعد" وارندری حکومت" کا زمانہ آتا ہے اور "کیواتا" سردا کے ماتحت بنگال کی حکومت کا عہد جاری رہتا ہے ،اس کے بعد رامپال کی حکومت کا زمانہ آتا ہے اور پال خاندان کی حکومتوں کا دور ختم ہوجاتا ہے۔[۱۲]

سین خاندان کی حکومت پال خاندان کے بعد سین خاندان کا دور حکومت آتا ہے سین خاندان اپنے اصل کے اعتبار سے "برہمن کھتری" کہے جاتے ہیں اصل وطن کے اعتبار سے یہ جنوبی ہند کے باشندے تھے اور "کارناتا" سے مغربی بنگال آکر مقیم ہوئے تھے سین سلسلہ حکومت کی تاریخ "سانمتا سین" سے شروع ہوتی ہے اس نے "کارناتا سے آکر گنگا کے کنارے اقامت اختیار کی تھی جو ضلع بردوان ڈویژن کا ایک مقام تھا اس کو کسی شاہی خطاب وغیرہ سے مورخین ملقب نہیں کرتے اور نہ کسی اور بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کسی باضابطہ حکومت کی بنیاد ڈالی تھی اس کے بعد" ہیمنتا سین" ابتداً ایک حکمراں سردار کی حیثیت سے جانا جاتا تھا اس کا زمانہ گیارہویں صدی کے آخری ربع صدی میں تھا جب پال خاندان کی حکومت انتشار پذیر ہوئی تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر" ہیمنتا سین "نے" رادھا" میں اپنی مستقل ریاست کی بنیاد ڈالی اور خود سے" مہاراج دھاراج" کا خطاب اختیار کیا، وہ کوئی طاقتور راجہ نہیں تھا اس کی حیثیت بھی دوسرے خود مختار رئیسوں کے مانند محض رادھا کے ایک رئیس کی تھی۔

ہمنیت سین کے بعد اسکا جانشین" وجے سین" ہوا اس کا زمانہ تقریبًا ساٹھ سال تک رہا اس نے بھی اپنا ابتدائی زمانہ ایک ماتحت افسر (چیف) کی حیثیت سے گزارا لیکن پھر بھی اس نے اپنے خاندان کی عظمت تقریبًا پورے بنگال کو زیر نگیں کرکے بڑھائی۔[۳]

سین خاندان کے چند قابل ذکر راجاؤں کے نام اور ان کی مدتہائے حکومت حسب ذیل ہیں۔

مسلمان فاتحین کے حملہ بنگال کے وقت ،بنگال کے زیادہ تر حصے سین راجاؤں کے زیر حکومت تھے ،ان کا پایہ تخت "ندیا" تھا اس زمانے میں صوبہ بہار بدھ راجاؤں کے زیر حکومت تھا جس کا تعلق" پال خاندان" سے تھا اور جنہیں سین راجاؤں نے بنگال سے بھگا دیا تھا۔

بنگال کا نام مسلمان مورخین کی تحریروں میں تیرہویں صدی عیسوی کے بہت پہلے سے پایا جاتا ہے مسلمان مورخین کبھی کبھی لکھنوتی (مغربی بنگال) اور سنار گاؤں (مشرقی بنگال) کے نام سے بھی اسے یاد کرتے ہیں۔[۱۴]

اسلام کی آمد سے قبل بنگال کی مذہبی اور سماجی صورتحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں "بودھ مت" کا زوال اور عرب میں اسلام کا ظہور وعروج ساتھ ساتھ شروع ہوا تاہم" بدھ مت" کو مٹتے مٹتے بھی ایک زمانہ لگ گیا عرب مسلمان تجار جب ملیبار، سیلون، سندھ، کوکن، گجرات اور سواحل بنگال میں آئے توان کا مقابلہ اور رابطہ ویدک دھرم کے ہندوؤں سے نہ تھا بلکہ ان کا زیادہ تر تعلق اور رابطہ بدھ مت کے پیشرووں سے تھا، اس وقت ترکستان سے کابل تک اور کشمیر سے سندھ تک بدھ مت اور گجرات اور ساحلی علاقوں میں جین مت کا دور دورہ تھا، ملیبار، مدراس اور سواحل بنگال نیز بنگال اور اس کے اطراف ومضافات میں بھی "ویدک دھرم" یا" برہمنی مذہب" کے پیرو لوگ نہ تھے بلکہ زیادہ تر ہندوستان کے قدیم باشندے تھے جن کو درہ خیبر سے آنے والے خود پسند مغرور اور ستم شعار برہمنوں نے شمالی ہندوستان سے نکال دیا تھا۔

(۳) وجے سین	۱۰۹۵ء	۶۰/سال
(۴) والال سین (بلاول)	۱۱۵۸ء	۱۱/سال
(۵) لکشمن سین (لکھن)	۱۱۷۹ء	۲۷/سال
(۶) وشواروپ سین	۱۲۰۶ء	۱۴/سال
(۷) کیشاؤسین	۱۲۲۵ء	۳/سال

مسلمان فاتحین کے حملہ بنگال کے وقت ،بنگال کے زیادہ تر حصے سین راجاؤں کے زیر حکومت تھے ،ان کا پایہ تخت "ندیا" تھا اس زمانے میں صوبہ بہار بدھ راجاؤں کے زیر حکومت تھا جس کا تعلق" پال خاندان" سے تھا اور جنہیں سین راجاؤں نے بنگال سے بھگا دیا تھا۔

بنگال کا نام مسلمان مورخین کی تحریروں میں تیرہویں صدی عیسوی کے بہت پہلے سے پایا جاتا ہے مسلمان مورخین کبھی کبھی لکھنوتی (مغربی بنگال) اور سنار گاؤں (مشرقی بنگال) کے نام سے بھی اسے یاد کرتے ہیں۔(۱۴)

اسلام کی آمد سے قبل بنگال کی مذہبی اور سماجی صورتحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں "بودھ مت" کا زوال اور عرب میں اسلام کا ظہور وعروج ساتھ ساتھ شروع ہوا تاہم" بدھ مت" کو مٹتے مٹتے بھی ایک زمانہ لگ گیا عرب مسلمان تجار جب ملیبار، سیلون، سندھ، کوکن، گجرات اور سواحل بنگال میں آئے توان کا مقابلہ اور رابطہ ویدک دھرم کے

ہندؤں سے نہ تھا بلکہ ان کا زیادہ تر تعلق اور رابطہ بدھ مت کے پیشرووں سے تھا، اس وقت ترکستان سے کابل تک اور کشمیر سے سندھ تک بدھ مت اور گجرات اور ساحلی علاقوں میں جین مت کا دور دورہ تھا، ملیبار، مدراس اور سواحل بنگال نیز بنگال اور اس کے اطراف ومضافات میں بھی "ویدک دھرم" یا "برہمنی مذہب" کے پیرو لوگ نہ تھے بلکہ زیادہ تر ہندوستان کے قدیم باشندے تھے جن کو درہ خیبر سے آنے والے خود پسند، مغرور اور ستم شعار برہمنوں نے شمالی ہندوستان سے نکال دیا تھا۔

برہمنوں نے ہندو مذہب کے نظری طور پر خوش آئند تخیلات قائم کیے عملی زندگی میں انسان انسان کے درمیان ذات پات کے باہمی امتیاز افتراق کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی، انسان سوسائٹی کا نچلا طبقہ اونچے طبقہ کے استبداد اور ظلم کی چکی میں بری طرح پستا رہا برہمنوں نے تعلیم کا دروازہ نیچے ذات والوں کے لیے بالکل بند کر دیا اور نیچے ذات والوں کے لیے زندگی کی بلند سطح پر پہنچنے کے تمام ذرائع ممنوع قرار دیے اور برہمن لوگ انکے دھرم پر بلا شرکت غیر کے اجارہ دار بن بیٹھے تھے"۔(۱۸)

ماخذومراجع

(۱) عہد اسلامی کا بنگال، ص،۱۳۲
(۲) آئین اکبری جلد دوم، ص،۴۹
(۳) ہسٹری آف بنگال حصہ اول، ص،۱۰۲
(۴) بنگلہ ساہتیہ اتہاس، ص،۳
(۵) ہسٹری آف بنگال حصہ اول، ص،۵۵۷
(۶) ہسٹری آف بنگال حصہ اول، ص،۴۱۱
(۷) عہد اسلامی کا بنگال، ص،۱۱۹
(۸) تاریخ فرشتہ، ص،۴۸
(۹) انسائیکلوپیڈیا آف بنگال بیان پنڈوہ، ص،۳۷۵
(۱۰) ریاض السلاطین، ص، ۱۳۲
(۱۱) اسلامی حکومت کا بنگال، ص،۳۷
(۱۲) ہسٹری آف بنگال حصہ اول، ص،۱۳۲
(۱۳) تاریخ بنگال جلد اول ہندو عہد، ص،۲۱۰
(۱۴) انسائیکلوپیڈیا آف بنگال بیان بنگال، ص،۴۴۷
(۱۵) ہندوستان میں اسلام کیونکر پھیلا، ص،۱۳۲
(۱۶) تاریخ بنگال، جلد اول، ص،۱۳۲
(۱۷) ہندوستان میں اسلام کیونکر پھیلا، ص،۱۳۴
(۱۸) ہسٹری آف بنگال حصہ اول، ص،۱۳۶

---------------------------(جاری)

وہابیوں اور دیوبندیوں کی پالیسی
اور عقائد و نظریات سے آگاہ کرنے
اور
ان کے مکر و فریب سے بچانے والی ایک لاجواب کتاب

وہابی دھرم کی حقیقت

از:
مولانا محمد امام الدین قادری
خطیب و امام جامع مسجد، بسکھاری، امبیڈکر نگر
تصحیح و تقدیم:
مولانا دستگیر عالم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
سن طباعت: ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء
صفحات ۱۹۲ ———— قیمت: ۱۰۰ روپے
یہ کتاب اپنے موضوع پر بڑی حد تک مکمل ہے، لب ولہجہ سادہ اور موثر ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کی راہ سے قصداً گریز کرنے والے دیوبندیوں اور وہابیوں کی بڑے سلیقے سے قلعی کھولی گئی ہے۔ اختلافی مسائل کے جزئیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔
آپ خود بھی پڑھیں اور اعزہ و اقارب کو بھی مطالعہ کا پیغام دیں۔
سرِ دست یہ چند سطریں نوٹ کی گئی ہیں تفصیلی تبصرہ آئندہ آئے گا۔
ناشر:
نوری لائبریری، نوری مسجد، بسکھاری، امبیڈکر نگر (یوپی)

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں
جناب معروف احمد خاں
73-رضانگر، سیکٹر-12، سوبنا، اودے پور، راجستھان
پن کوڈ نمبر-313002

علم وفن کے کوہِ ہمالہ، بقیۃ السلف، امام المدرسین حضرت الحاج حافظ علامہ

غلام محمد تونسوی علیہ الرحمۃ

محمد منور عتیق، برنگھم

پیدائش اور خاندان: کاغذاتی اعتبار سے آپ کی پیدائش ۱۹۳۴ء میں تونسہ شریف کے قریب ایک پسماندہ گاؤں "کھوہی" میں ہوئی۔ اس اعتبار سے آپ کی عمر مبارک اسی [۸۰] برس بنتی ہے جبکہ حقیقتاً آپ کی عمر نوے [۹۰] سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ آپ کے والدبزرگوار کا نام غلام حیدر تھا اور بلوچ خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔

تعلیم وتربیت: آپ نے اپنے علاقہ میں قرآن مجید حفظ کیا اور مولانا غلام رسول صاحب مرحوم نامی ایک عالم سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھی۔ علم کی جستجو میں آپ غربت وافلاس کی حالت میں اپنے گھر بار کو خیر آباد کہہ کر شہر سرگودھا پہنچے۔ وہاں چند روز رہے اور کسی نے انھیں بتایا کہ سیال شریف [ضلع سرگودھا] میں ایک جامع معقول ومنقول عالم پڑھاتے ہیں تو وہیں سے آپ نے اپنا رخ مملکت علم کے اس بے تاج بادشاہ کی جانب اختیار کیا جنھیں دنیائے علم وآگہی ملک العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمہ کے نام سے جانتی ہے۔ آپ اپنے حلقے میں "بڑے استاد" کے لقب سے معروف ہیں۔ ایک سال آپ نے وہیں دار العلوم ضیاء شمس الاسلام میں بڑے استادوں کے پاس گزارا اور جب انھوں نے بندیال کی طرف رخ کیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے آپ کی ملازمت اختیار کر لی اور مزید تین سال آپ نے جامعہ مظہریہ امدادیہ [بندیال شریف] میں رہ کر بڑے استادوں سے معقولات ومنقولات کی کتابیں مکمل فرمائیں۔ بندیال شریف میں آپ نے درس نظامی کی بڑی کتابیں متعدّد بار دہرائیں۔ آپ نے منطق میں قطبی ومیر قطبی، میر زاہد ملا جلال، ملا حسن، قاضی مبارک، حمد اللہ، فلسفہ میں میبذی، صدرا، شمس بازغہ، امور عامہ علم ہیئت میں تصریح، شرح چغمینی، ہندسہ میں اقلیدس، عقائد میں خیالی وشرح عقائد، نحو میں الفیہ، شرح جامی و عبد الغفور وتکملہ، اصول فقہ میں توضیح وتلویح ومسلم الثبوت، تفسیر میں بیضاوی وغیرہ پڑھیں۔ آپ کی کلاس میں اسوقت یہ تین علماء کرام ہم سبق تھیں: حضرت تاج الفقہا علامہ عبد الحق بندیالوی دام ظلہ [مہتمم جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال شریف، ضلع خوشاب]، استاذ العلما علامہ پیر محمد چشتی پٹھان دام ظلہ [مہتمم جامعہ معینیہ غوثیہ، پشاور]، شیخ الحدیث علامہ اشرف سیالوی مرحوم۔ استاذ العلما علامہ پیر محمد چشتی نے بتایا کہ سیال شریف سے بندیال شریف تک میں اور علامہ تونسوی علیہ الرحمۃ شریک سفر رہے اور ہم سے ایک یا دو سال پہلے مناظر اہل سنت ابو الفتح علامہ محمد اللہ بخش مرحوم [مہتمم جامعہ مظفرہ رضویہ، واں بھچراں ضلع میانوالی] اور تاج الفقہا عبد الحق بندیالوی صاحب دام ظلہ بڑے استادوں کے پاس کتابیں پڑھ رہے تھے۔ خود تاج الفقہا دام ظلہ نے بتایا کہ جب علامہ تونسوی نے توضیح وتلویح پڑھی اس وقت میں اسے پڑھ چکا تھا مگر سماع کے لیے دوبارہ درس میں شریک ہوا۔

دوسری بار حضرت علیہ الرحمۃ، استاذ العلما علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ اور استاذ العلما علامہ فضل سبحان قادری دام ظلہ [مہتمم دار العلوم قادریہ، بغدادہ مردان] کے ساتھ اسباق میں پھر سماع کے لیے شریک ہوئے۔ علامہ فضل سبحان قادری صاحب نے بتایا کہ قاضی مبارک کا آخری پیریڈ ظہر کے وقت ہوتا۔ اس وقت بندیال میں کوئی کمرے نہیں تھے۔ بڑے استاد سخت گرمیوں میں بھی اس سبق کو معطل نہ فرماتے اور بغیر بجلی کی سہولت کے ایک درخت کے نیچے گرم لو میں یہ سبق ہوا کرتا اور طلبہ پسینہ میں چور وچور ہوتے۔ علامہ فضل سبحان قادری صاحب اور استاذ العلما علامہ پیر محمد چشتی نے بتایا کہ آخری سال میں حضرت تونسوی علیہ الرحمۃ نے بڑے استادوں سے عرض کی کہ ہمیں در مختار پڑھا دیں مگر آپ نے فرمایا کہ اس کتاب کو کوئی نہیں پڑھاتا اس کا صرف مطالعہ کر لیا کریں۔ بہر حال جب آپ نے اور تاج الفقہا علامہ عبد الحق بندیالوی نے اصرار فرمایا تو چند ماہ بڑے استادوں نے در مختار بھی پڑھائی پھر آپ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ شارح بخاری ومسلم علامہ غلام رسول سعیدی [دار العلوم نعیمیہ، کراچی] بھی بڑے استادوں کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ نے خود فقیر کو بتایا کہ علامہ تونسوی علیہ الرحمۃ ایک زمانہ پہلے پڑھ کر فارغ ہو چکے تھے اور شاید اس وقت پیر سید جلال الدین قاسمی علیہ الرحمۃ کے

مدرسہ میں تدریس فرما رہے تھے۔ استاذ العلما علامہ پیر محمد چشتی دام ظلہ نے فقیر کو بتایا کہ اپنی اور علامہ اشرف سیالوی مرحوم کی بندیال سے فراغت کے بعد، علامہ تونسوی علیہ الرحمہ مزید دو سال وہیں بڑے استادوں کے پاس رہے اور کتابوں کو دو سے چار بار دوہرایا۔ جب ساتھی انھیں کہتے کہ اتنی بار کیوں پڑھ رہے ہو تو وہ یہ کہہ کر خاموش کرتے کہ تم تو اپنی تحریر کا سہارا لے لو گے مگر میں تو لکھ بھی نہیں سکتا اس لیے میں ان کتابوں کو اچھی طرح یاد کروں گا۔ حضرت علیہ الرحمہ نے دورہ حدیث بھی بڑے استادوں کے پاس کیا۔ آپ نے خود فرمایا کہ بندیال شریف میں دورہ حدیث صبح سے ظہر تک ہوتا اور بڑے استاد عمدۃ القاری اور فتح الباری سے جب تقریر فرماتے تو کسی کو وقت کا اندازہ نہ رہتا اور نہ پیاس کی حاجت ہوتی اور نہ بھوک کی یاد رہتی۔ حضرت تاج الفقہا علامہ عبد الحق بندیالوی دام ظلہ نے بتایا کہ جب بڑے استاد ملک العلما عطا محمد علیہ الرحمہ بندیال سے ایک سال وڑچھہ شریف [ضلع خوشاب] پیر غلام دستگیر شاہ کی فرمائش پر ان کے صاحب زادے علامہ غلام حبیب شاہ کو پڑھانے کے لیے گئے تو علامہ تونسوی علیہ الرحمہ اور آپ خود بھی اس سال خانقاہ معلی کھڈ شریف حضرت علامہ محمد سعید ہزاروی مرحوم کے پاس بڑی کتابیں پڑھنے کے لیے چلے گئے۔

شوق علم والتزام شیخ: آپ کے التزام اور شوق علم کا یہ عالم تھا کہ چھٹیوں کے دنوں میں بھی آپ چھٹی نہ کرتے اور استادوں کی بارگاہ میں حاضر رہتے۔ جن راتوں کو بجلی نہ ہوتی چاند کی روشنی میں کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور اسباق کی تیاری میں ناغہ نہ ہونے دیتے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے کتابت نہ سیکھی اور صرف اپنا نام سادہ انداز میں تحریر فرما لیتے مگر علوم وفنون کا یہ جنون تھا کہ منزل یاد کرنے والے حفاظ کی طرح مصلی پر کھڑے ہو کر اپنے اسباق کی عبارات کو حفظ کرتے یہاں تک کہ کئی مہینوں تک عبارات حفظ رہتی۔ علامہ مفتی محمد رفیق الحسنی صاحب نے بتایا کہ ملا حسن کا ایک سبق پڑھاتے ہوئے جب بڑے استادوں نے تقریبا چار ماہ پہلے کسی سبق کا حوالہ دیا تو حضرت علیہ الرحمہ نے فورا وہ مقام نکال کر بتادیا کہ یہ مسئلہ فلاں مقام پر گزر چکا ہے۔ اس پر استاد بے حد خوش ہوئے اور دعاوں سے نوازا جس کی برکت سے ایک کائنات نے آپ کے چراغ علم سے ہزاروں شمعیں روشن کی۔ آپ بڑے استادوں کے وہ واحد شاگرد ہیں جنھوں نے ان کی صحبت میں رہ کر تمام بڑی کتابیں متعدّد بار مکمل فرمائیں جن کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔

ملک العلما علیہ الرحمہ کی نگاہ میں آپ کا مقام: حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ اکثر اپنے شاگردوں سے ملتے تو انھیں فرماتے کہ کاش تم میرے پاس ایک سال اور رک جاتے اور فلاں فلاں کتابیں پڑھ لیتے مگر حضرت تونسوی علیہ الرحمہ وہ واحد شاگرد تھے کہ بڑے استادوں نے خود بلا کر انھیں حکم دیا کہ آپ نے جو پڑھنا تھا ہم سے پڑھ لیا اب آپ بیٹھ کر پڑھائیں اور پھر الوداع فرما کر بیش بہا دعاوں وشفقتوں سے نوازا۔ یقینا یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ استاد کو اپنے کسی شاگرد پر اتنا اعتماد ہو کہ وہ اسے خود تدریس پر آمادہ کرے۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ بڑے استادوں کی حیات میں ہی حضرت علیہ الرحمہ کی تدریس کا شہرہ پورے ملک میں پھیلنا شروع ہو گیا اور آپ نے انتہائی استقامت وصبر کے ساتھ اپنے استادوں کے حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے ایک زمانہ گزار دیا۔ حتی کہ ایک روز بقول علامہ حافظ عبد الرزاق کے، حافظ نور محمد بڑے استادوں سے پوچھنے لگے کہ حضور آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا مولوی غلام محمد کہ جس نے ہماری تدریس کے مشن کو جاری رکھا۔ یہ بات پھر حافظ صاحب نے آکر آپ کو بتائی اور آپ نے بے انتہا خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا۔ "فضلائے بندیال" میں لکھا ہے کہ ایک روز بڑے استادوں نے حاشیہ خیالی شرح عقائد پڑھانے سے پہلے آپ سے خطاب کر کے کہا "ہاں، مولوی غلام محمد، آج خیالی کیا کہنا چاہتا ہے؟" تو حضرت نے فورا مقام درس کی اپنے مطالعہ اور حفظ کے بل پر ایسی تقریر کی کہ بڑے استاد خوش ہوئے اور تائید فرما کر کہنے لگے کہ آج خیالی یہی کہہ رہا ہے۔ علامہ صاحب زادہ اسرار الحق بندیالوی نے بتایا کہ "بڑے استاد بحر العلوم ملک العلما علیہ الرحمہ کو اپنی اس کلاس پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ نے برملا فرمایا کہ دنیا کو کوئی مدرس اگر ان میرے تلامذہ کو مطمئن کر دے تو میں تدریس چھوڑ دوں گا۔ یہ ساری رات مطالعہ کر کے مقام درس کے حواشی وشروح پڑھ کر کلاس میں بیٹھ جاتے ہیں اور پھر اعتراضات واشکالات کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیتے ہیں"۔

حضور محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں: ابتدائی زمانہ میں بندیال شریف میں دورہ حدیث کا اہتمام نہیں تھا۔ بڑے استادوں سے کتابیں مکمل فرما کر آپ نے سرزمین فیصل آباد کی جانب رخ کیا جہاں پر اہل سنت وجماعت کے محسن، خانوادہ بریلی کے چشم وچراغ، حضور محدث اعظم مولانا سردار احمد قادری علیہ الرحمہ دورہ پڑھاتے تھے۔ آپ تقریبا ظہر کے قریب وہاں پہنچے اور آگے حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ کا درس جاری تھا اور آپ کی آنکھوں سے زار وقطار آنسو رواں تھے۔ یہ دیکھتے ہی حضرت

علیہ الرحمہ پر کپکپی تاری ہوگئی اور آپ سے ساری زندگی بے حد متاثر رہے یہاں تک کہ آپ کے ایک شاگرد حضرت علامہ حافظ عبد الرازق [حال جامعہ نوریہ بلوچستان] فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ بہت سے مزارات پر حاضری دی مگر جتنی رقت آپ پر حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ کے مزار شریف کی حاضری میں ہوتی اتنی کہیں نہیں دیکھی۔ آپ نے ایک قلیل مدت وہیں فیصل آباد گزاری اسی اثنا میں حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ بیمار ہوگئے تو آپ واپس بندیال چلے آئے۔ یہاں پر بڑے استادوں نے علامہ عبد الحق کے اصرار پر بخاری و مسلم شریف کا درس شروع فرمادیا اور حضرت علیہ الرحمہ نے دورے کی تکمیل بندیال شریف میں کی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے جب فقیر کی اور مرے ہم سبق ساتھیوں کی ۲۰۱۱ء میں جامعہ نوشاہیہ میں دستار بندی فرمائی تو فرمانے لگے کہ دورہ شریف پڑھنے کے بعد حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ ہماری کلاس کو محدث اعظم کی بارگاہ میں لے آئے اور آپ ہی نے ہماری دستار بندی فرمائی۔ استاذی مکرم تاج الفقہا علامہ عبد الحق بندیالوی نے فرمایا کہ میں، علامہ تونسوی علیہ الرحمہ، علامہ اشرف سیالوی اور علامہ اللہ بخش بڑے استادوں کے ہم راہ دورہ حدیث کے آخری پندرہ دن حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ کے پاس پڑھنے چلے گئے اور ہر روز درس پڑھتے پھر دونوں اساتذہ نے وہیں پر ہماری دستار بندی فرمائی۔ ہر سال حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ کے حکم پر حضرت تونسوی علیہ الرحمہ رمضان شریف میں مختلف جگہوں پر نماز تراویح پرھاتے اور پچاس سال تک مسلسل اسی حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ بقول علامہ حافظ عبد الرازق صاحب کے ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ خود محدث اعظم علیہ الرحمہ نے آپ کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھی اور اس وقت آپ نے پچیسواں پارہ سنایا۔ حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ آپ سے بہت محبت فرماتے اور پیار بھرے انداز میں کہتے "مولوی غلام محمد جب کھڑے ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ بیٹھے ہوئے ہیں"۔ اگرچہ حضرت علیہ الرحمہ کا قد مبارک چھوٹا تھا مگر ہم نے کئی علما سے سنا کہ علامہ تونسوی علیہ الرحمہ پاوں کے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک علم ہی علم تھے۔ محدث اعظم علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت علیہ الرحمہ ہر سال آپ کے عرس مبارک پر فیصل آباد جانے کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

عقلی و نقلی علوم کی تدریس: حضرت علیہ الرحمہ نے ۱۹۶۰ء کے ابتدائی سالوں میں تدریسی کام شروع کیا اور نصف صدی سے زائد اس مشن میں آپ نے دن رات ایک کر دئے۔ ملک العلما علیہ الرحمہ کے بعد حضرت تونسوی علیہ الرحمہ کی تدریس کو جو شہرہ ملا کسی اور کو شاید نہ ملا ہو۔ آج شاید کوئی پاکستان میں بڑا جامعہ ہو جہاں پر آپ کا بالواسطہ یا بلا واسطہ شاگرد نہ پڑھا رہا ہو۔ فقیر ۲۰۱۱ء میں جب جامعہ نوشاہیہ جہلم میں حضرت علیہ الرحمہ کے پاس پڑھ رہا تھا تو آپ نے دوران درس فرمایا کہ بڑے استادوں نے اپنی زندگی کے باون سال علوم دینیہ کی تدریس میں گزار دیے اور اس رواں سال کے آخر میں مجھے بھی پڑھاتے ہوئے باون سال مکمل ہوجائیں گے۔ فقیر عرض کرتا ہے حضرت علیہ الرحمہ نے اس کے بعد مزید ۲۰۱۴ء کے ماہ جون تک اسباق پڑھائے اور یوں آپ نے پچپن سالہ زندگی علوم دینیہ کی خدمت میں صرف کی۔ کچھ عرصہ آپ نے اپنے داد پیر خانے میں رہ کر حضرت پیر غلام حسن سواغ علیہ الرحمہ کی صاحب زادی کو پڑھایا اور تکمیل پر آپ نے حضرت سواغ علیہ الرحمہ سے کچھ وظائف طلب فرمائے تو انھوں نے جواباً کہا کہ آپ کا وظیفہ تدریس ہی ہے اور یوں دعائیہ جملے سے نوازتے ہوئے الوداع کیا "جتھے پیر اتھے خیر" یعنی جہاں آپ کا قدم پڑے وہیں خیر و برکت اللہ کے آئے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے مختلف مقامات پر تدریس فرمائی۔ بعض یہ ہیں:

خیر المعاد ملتان میں طویل عرصہ تک پڑھایا، سیال شریف [شیخ الفنون کی حیثیت سے]، خواجہ آباد شریف [خواجہ جمال الدین قاسمی کے ہاں]، جامعہ قادریہ فیصل آباد، جامعہ نعمانیہ رضویہ [لیہ مظفر گڑھ، زبدۃ الاصفیاء صوفی حامد علی علیہ الرحمہ کے ہاں جس مدرسہ کی بنیاد ۱۹۶۲ میں رکھی گئی]، جامعہ مولانا غلام نبی لیاری کراچی، کوٹ ادو وغیرہ۔ پاکستان میں جامعہ نوشاہیہ [کشمیر کالونی، جہلم] وہ آخری درسگاہ ہے جہاں پر ملک بھر سے آنے والے ایک سو سے زائد طلبہ اور فارغ التحصیل علما کو آپ نے حمد اللہ، شرح جامی و عبد الغفور، مسلم الثبوت، خیالی و شرح عقائد، تفسیر بیضاوی، مسند امام اعظم، شرح ابن عقیل، قطبی میر قطبی، تصریح، شرح تہذیب، میبذی، میر زاہد ملا جلال ، بدیع المیزان، مختصر المعانی وغیرہ اسباق پڑھائے۔

علامہ حافظ عبد الرازق کے بقول آخری عمر میں جب حضرت علیہ الرحمہ قاضی مبارک اور خیالی جیسے مشکل اسباق پڑھاتے تو دوران مطالعہ سوچتے کہ میں یہ اسباق کل طلبہ کو کیسے سمجھاوں گا اور پھر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا فرماتے کہ مولی ان اسباق کی تفہیم میرے لیے آسان فرما۔ صبح جب سبق پڑھا لیتے تو فرماتے کہ دل میں اتنی خوشی ہوتی کہ دنیا و مافیہا سے کہیں زیادہ ہوتی اور رب کا شکر ادا کرتے کہ اس نے اس عمر میں بھی

اس سعادت سے نوازا۔ آپ کے ایک شاگرد علامہ مفتی محمد اسلم بندیالوی [حال بریڈفورڈ، یوکے] فرماتے ہیں کہ جب ہم نے استادوں سے خیالی پڑھی تو یوں لگتا تھا کہ استاد کوئی ابتدائی کتاب پڑھا رہے ہیں۔ فقیر نے حضرت علیہ الرحمہ سے جب خیالی پڑھی تو آپ پہلے شرح عقائد کی عبارت کو حل فرماتے پھر خیالی کے ساتھ حاشیہ سیالکوٹی کی عبارات کو مربوط کر کے تقریر فرماتے اور بعض مقامات پر نبراس سے بھی تقریر فرماتے مگر حضرت علیہ الرحمہ کی تقریر بہت جامع ہوتی اور اس میں ہر روز وہ کچھ سننے کو ملتا جو نہ نبراس میں تھا نہ حاشیہ سیالکوٹی میں۔ آپ کی تقریر بھی صرف اسی طالب علم کو سمجھ میں آتی جو اچھی طرح شرح عقائد و خیالی کی شروح اور حواشی کا مطالعہ کر کے جاتا۔ باقی اسباق کا بھی یہی عالم تھا۔ علامہ صاحب زادہ اسرار الحق بندیالوی نے بتایا کہ حضرت علیہ الرحمہ ابتدائی زمانہ تدریس میں امام الصرف والنحو کے لقب سے مشہور ہوئے اور بعد میں پھر وہ زمانہ آیا کہ تدریس کی دنیا میں آپ ہر فن مولی تسلیم کیے جاتے تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ کا نحو کے ساتھ خصوصی لگاو تھا اور شرح جامی و عبدالغفور کو بڑے شوق سے پڑھاتے پھر ۲۰۱۱ء میں آپ نے ہماری کلاس کو شرح ابن عقیل کا درس دیا اور فرمایا کہ میں نے بڑے استادوں سے الفیہ ابن مالک بطور خاص پڑھی۔ آپ نے تقریباً تین ہفتے تک حاشیہ خضری کو ملا کر شرح ابن عقیل پڑھائی اور بعد میں فرمانے لگے کہ اگر خضری ساتھ رکھیں گے تو ابن عقیل رہ جائے گی اسلیے آپ نے پھر الفیہ کی مکمل ترکیب اور شرح ابن عقیل پر اکتفا فرمایا۔ آج شاید عرب دنیا میں بھی حاشیہ خضری کے ساتھ ابن عقیل پڑھانے کا اہتمام نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ حاشیہ محی الدین سے بحث کی جاتی ہے۔ اگر طلبہ کو ابن عقیل زیادہ سے زیادہ پڑھنے کا اصرار نہ ہوتا تو حضرت علیہ الرحمہ ضرور حاشیہ خضری کی تقریرات جاری رکھتے۔

آپ کے نامور تلامذہ: پنجاب کے بڑے آستانوں کے شیوخ کی خواہش ہوتی کہ ہمارے صاحبزادگان حضرت تونسوی علیہ الرحمہ سے علم حاصل کریں۔ میری خواہش ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کا کوئی شاگرد آپ کے فیض یافتہ تلامذہ کی ایک تفصیلی فہرست بنائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ آپ کے تلامذہ کہاں کہاں علم کی شمعیں جلا کر انوار دین پھیلا رہے ہیں۔ یہاں پر حضرت علیہ الرحمہ کے چند نامور تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے: ۱۔ علامہ عطا محمد متین [شادیہ میانوالی، استاذ گرامی علامہ سعید احمد اسد] ۲۔ شیخ الحدیث علامہ ارشد سعید کاظمی [انوار العلوم، ملتان] ۳۔ صاحبزادہ مظہر الحق بندیالوی ابن تاج الفقہا ۴۔ صاحب زادہ پروفیسر ظفر الحق بندیالوی ابن تاج الفقہا ۵۔ مفتی رفیق الحسنی [کراچی] ۶۔ علامہ غلام محمد سیالوی [تنظیم المدارس کراچی] ۷۔ مفتی یار محمد قادری [برمنگھم، یوکے جو حضرت علیہ الرحمہ کے بہت معتمد تھے اور یوکے لانے میں انھی کی کاوش تھی] ۸۔ مفتی محمد مسعود [ملتان، حال جامعہ نوشاہیہ جہلم] ۹۔ مفتی محمد اسلم بندیالوی [برید فورڈ، یوکے] ۱۰۔ مفتی فضل الرحمن [ڈیرہ اسماعیل خان] ۱۱۔ خواجہ فقیر محمد باروی ۱۲۔ صاحب زادگان آستانہ عالیہ حضرت سواغ علیہ الرحمہ ۱۳۔ علامہ حافظ عبدالرازق [جامعہ نوریہ کوئٹہ بلوچستان، جو حضرت کے بیٹوں کی طرح انتہائی معتمد تھے اور حضرت کی بہت خدمت کرتے] ۱۴۔ علامہ مولانا سلطان [صدر مدرس جامعہ رضویہ محدث اعظم، فیصل آباد] ۱۵۔ صاحب زادہ مظہر فرید [جامعہ فریدیہ، ساہیوال] ۱۶۔ علامہ سعید احمد باروی [جامعہ رضویہ محدث اعظم، فیصل آباد] ۱۷۔ پروفیسر محمد نواز [شاہ فیصل یونیورسٹی، اسلام آباد] ۱۸۔ صاحبزادہ معظم الدین مرحوم ۱۹۔ مولانا نذیر احمد صاحب [ہدایۃ القرآن، ملتان] ۲۰۔ علامہ ڈاکٹر غلام شمس الرحمن [بہاو الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان] ۲۱۔ مفتی حسین علی [حال مدرس بندیال، جنہوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی بہت خدمت کی] ۲۲۔ حکیم حق نواز [منڈی بہاوالدین، جن کے والد حضرت علیہ الرحمہ کے حکیم بھی تھے] ۲۳۔ علامہ حافظ نور احمد [سوہاوہ، جو حضرت کے بہت معتمد تھے] ۲۴۔ علامہ صاحب زادہ اسرار الحق بندیالوی ابن تاج الفقہا۔

آپ کا مثالی اخلاق: حضرت علیہ الرحمہ خوش اخلاق اور خوش طبع انسان تھے۔ آپ نے ایک بے ضرر زندگی گزاری اور کسی کو بالقصد ایذا نہ دی۔ انتہائی لطیف مگر سادہ مزاج تھے۔ کبھی زبان مبارک سے فحش گوئی سنائی نہ دی۔ جب کوئی شخص بطور ہدیہ کچھ کھانے کے لیے پیش کرتا تو پہلے حاضرین میں تقسیم فرماتے اور بعد میں خود تناول فرماتے اور دعائیں دیتے۔ آپ صفائی کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے۔ استاذ العلماء علامہ پیر محمد چشتی صاحب جو کہ حضرت علیہ الرحمہ کے سیال شریف اور پھر بندیال میں ہم سبق ساتھی تھے نے فقیر سے فرمایا کہ "علامہ تونسوی علیہ الرحمہ ایک عظیم انسان تھے جن کے جانے سے ہم ایک بڑی نعمت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اصل خوبی وہ کمالات ہوتے ہیں جن سے انسان کی زندگی کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ علامہ تونسوی علیہ الرحمہ ان کمالات کے حامل تھے۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ کسی کے معاملات میں بے جا دخل نہ دیتے۔ آپ نے بے ضرر زندگی گزاری۔ آپ عاجزی کا نمونہ تھے۔ کبھی اپنے علم پر غرور کرتے ہوئے کسی دوسرے کو ہیچ نہ سمجھتے تھے۔ وہ ایک منکسر المزاج

اور مومنانہ شان کے حامل تھے"۔ علامہ صاحب زادہ اسرار الحق بندیالوی جنہوں نے آٹھ سال حضرت تونسوی علیہ الرحمۃ کا التزام فرماکر ان سے کتابیں پڑھیں نے فقیر کو بتایا کہ "حضرت علیہ الرحمۃ کے تزکیہ نفس، طہارت باطنی اور روحانی تصرف کی وجہ سے جو شاگرد ان کے پاس پڑھتا اسے ان سے والہانہ محبت ہوجاتی۔ ہم نے اس عرصہ میں آپ کی زبان مبارک سے کسی دوسرے شخص کی کبھی نہ غیبت سنی اور نہ گلہ اور کسی دوسرے مدرس کے متعلق آپ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ اس کی صلاحیتیں کم ہیں یا یہ پڑھانے کے لائق نہیں وغیرہ وغیرہ۔ آپ ہمیشہ سراپا عجز و انکسار رہے"۔

استاذ العلما علامہ فضل سبحان قادری صاحب نے حضرت علیہ الرحمۃ کے پہلے جنازے کے موقع پر بتایا کہ "بندیال شریف میں صرف ایک وقت کھانا میسر آتا۔ وہ بھی یوں کہ چند طلبہ علاقہ بھر سے روٹیاں جمع کرتے ،کسی کو پوری روٹی ملتی تو کسی کو آدھی۔ ہانڈی کا کوئی خاص اہتمام نہ ہوتا۔ علامہ تونسوی علیہ الرحمۃ اور مولانا شیخ احمد وہ دو شخص تھے جو سبزیوں کے بیج بوتے اور انھیں ٹیوب ویل سے خود سیراب کرتے۔ جس وقت آپ کے ہاتھ کی تیار شدہ سبزی جامعہ کے طلبہ کھاتے تو اس دن بندیال میں عید کا سماں ہوتا۔ یوں آپ نے مشقتیں کرکے خود بھی پڑھا اور دوسرے طلبہ کو کھلا کر پڑھائی کا ایک خوشگوار ماحول فراہم کرنے کی کوششیں کی"۔

حضرت علیہ الرحمۃ طلبہ کے ساتھ اتنے شفیق تھے کہ جامعہ کی جانب سے دی گئی اپنی آسائش اور سہولت کو ان کی تنگی اور تکلیف پر قربان فرماتے اور چند مدارس آپ نے محض اس وجہ سے چھوڑے کہ وہاں طلبہ کو مہتمم صاحبان بلاوجہ پریشان کرتے۔ آپ کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ میں خود تو آرام سے رہوں اور میرے طلبہ پریشان رہیں۔ آپ انتہائی خوش طبیعت تھے اور مسکراہٹ لبوں پر کچھ یوں ابھرتی تھی کہ دیکھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی۔ طبیعت میں سادگی اس انداز سے بھری تھی کہ جو آپ کے انداز وسلیقہ کو دیکھتا فریفتہ ہوجاتا۔ وضع قطع سے یوں لگتا کہ سلف صالحین کا کوئی فرد اس صدی میں زندہ ہے۔ علامہ حافظ عبدالرزاق صاحب نے بتایا کہ استاد صاحب نے دو حج ادا فرمائے اور غالبا ایک دفعہ عمرہ شریف پر بھی گئے۔ ایک بار جب واپس کراچی ایئر پورٹ پر اترے تو مفتی حسین علی کو بتانے لگے کہ مکہ شریف میں ایک شخص کی نگاہ آپ پر پڑی اور وہ آپ کے ساتھ ہر جگہ ساتھ رہنے لگا۔ حتی کہ جو عمل حضرت کرتے وہی عمل شروع کر دیتا۔ آپ کی سادگی اسے اتنی محبوب ہوئی کہ مدینہ شریف بھی ساتھ روانہ ہو گیا اور وہاں بھی ساتھ ساتھ رہا۔ پاکستان روانگی کے وقت اس نے آپ کو کچھ پیسے دئے تو آپ نے وہ قبول فرمالیے اور کراچی پہنچ کر آپ نے اس کی ساری داستان مفتی حسین علی کو بتائی اور پھر وہ نوٹ دیا تو تبدیل کرانے پر تقریبا ۲۵،۰۰۰ روپے حاصل ہوئے۔ آپ حیران ہوئے کہ ایک انجان آدمی نے وہاں آپ سے کتنی محبت کا اظہار فرمایا۔ آپ نے ساری زندگی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت فعلی پر عمل کرتے ہوئے تہبند باندھا اور سفید کرتا زیب تن کیا۔ سر پہ سادہ ٹوپی پہنتے اور لباس میں ہر قسم کے تصنع بلکہ کردار میں بھی غرور و تکبر کی برائی سے محفوظ رہے۔ عجز و انکساری کے اس پیکر کو کوئی بھی شخص دیکھ کر یہ اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ آپ علم و فن کے ایک بحر بیکراں ہیں اور ہزاروں مدرسین و علما آپ کے شاگرد ہیں۔

عبادت اور معمولات: علامہ حافظ عبدالرزاق نے بتایا کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے چالیس سال ایسے مکمل ہوئے کہ ان کی نماز تہجد نہ چھوٹی۔ فقیر کہتا ہے کہ یو کے آنے کے بعد بھی حضرت نے اس عادت شریفہ کو نہیں چھوڑا۔ آپ ہی نے بتایا کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے پچاس سال نماز تراویح مسلسل خود پڑھائی۔ اور ایک دفعہ سرگودھا سے ملتان آتے ہوئے ڈرائیور نے گاڑی نہ روکی اور نماز عصر و مغرب رہ گئی۔ ملتان پہنچ کر حضرت نے فرمایا کہ میں صاحب ترتیب ہوں اس لیے میں پہلے عصر قضا کروں گا پھر مغرب۔ صاحب زادہ اسرار الحق بندیالوی نے بتایا کہ "میں نے حضرت علیہ الرحمۃ کے پاس آٹھ سال سے کچھ ماہ کم گزارے اور واللہ میں نے نہیں دیکھا کہ استاد صاحب نے کبھی بغیر جماعت نماز پڑھی ہو"۔

حضرت علیہ الرحمۃ سے نسبت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ آپ نے کبھی اپنے معمولات کو ترک نہ فرمایا۔ آپ میں وقت کا شدت سے احساس تھی اور اس کی سخت پابندی فرماتے۔ پاکستان میں صبح فجر سے پہلے اور یو کے میں فجر کے بعد آپ روزانہ سفر و حضر میں دو گھنٹے مسلسل ورزش کرتے اور چلتے ہوئے قرآن مجید کی منزل اور وظائف پڑھتے پھر ناشتے میں ایک روٹی اور دہی کھاتے۔ اس سے کچھ دیر بعد چائے نوش فرما کر اسباق پڑھاتے، اس کے بعد کھانا تناول فرماتے اور آرام کرتے پھر بیدار ہو کر چائے نوش فرماتے اور اگلے دن کے اسباق کے لیے رات گئے تک مطالعہ فرماتے۔ حضرت علیہ الرحمۃ یو کے میں بعض طلبہ کو جلالین و نور الایضاح بھی پڑھاتے اور طالبات کو بطور خاص مشکوٰۃ شریف پڑھاتے۔ آپ کے صاحبزادے محمد اسماعیل نے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپ ان اسباق کے لیے بھی مطالعہ کی زحمت کیوں فرماتے ہیں جب کہ ان کا سیدھا سادہ ترجمہ اور

تشریح ہوتی ہے تو آپ نے جوابا فرمایا کہ بات تو درست ہے مگر بڑے استادوں نے زندگی میں کسی بھی کتاب کو بغیر مطالعہ کے نہیں پڑھایا تو اس عمر میں میں اپنے استادوں کے اس طریقے سے روگردانی کیسے کر سکتا ہوں؟

بیعت وارادت: آپ کے صاحب زادے مولانا محمد اسماعیل نے بتایا کہ حضرت تونسوی علیہ الرحمہ نے بچپن میں سلسلہ چشتیہ کی قدیم درگاہ تونسہ شریف سے بیعت کی۔ بعد میں آپ نے سلسلہ عالیہ نقش بندیہ کے مشہور شیخ حضرت پیر بارو علیہ الرحمہ کے دست اقدس پر بیعت کی اور ہمیشہ اپنے تصوف کو چھپائے رکھا۔

حضرت تونسوی علیہ الرحمہ کا انتقال اور جنازہ: آخری دم تک حضرت علیہ الرحمہ جسمانی لحاظ سے صحت مند تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو ہر طرح کے جسمانی امراض سے محفوظ رکھا۔ سن ۲۰۱۲ء میں حضرت علیہ الرحمہ نے جامعہ نوشاہیہ جہلم میں آخری سال فنون پڑھائے اور پھر حضرت صاحبزادہ پیر سلطان نیاز الحسن صاحب قادری اور اپنے شاگرد علامہ مفتی یار محمد قادری صاحب کی دعوت پر جامعہ اسلامیہ حضرت سلطان باہو کے عالمی مرکز برمنگھم انگلینڈ میں تشریف لائے اور یہاں پر طلبہ اور طالبات کو درس دیا اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ تدریس کے مشن میں صرف کیا۔ رمضان مبارک ۱۴۳۵ھ کی دو تاریخ بروز سوموار بمطابق ۳۰ جون ۲۰۱۴ صبح تقریبا نو بج کر پینتالیس منٹ پر اسباق کی تیاری کے لیے وضو کیا اور اس کے بعد شدید دل کا دورہ ہوا۔ آپ باوضو حالت روزہ میں تھے کہ اپنی رہائش پر ہی آپ کی روح نے پرواز کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رات کو آپ نے باجماعت دوسری نماز تراویح ادا فرمائی، صبح سحری میں مولانا محمد راشد [کیتھلے، یوکے] اور اپنے صاحب زادہ مولانا محمد اسماعیل کے ساتھ معمول کے مطابق دہی اور روٹی تناول فرمائی پھر چائے نوش کی، نماز فجر باجماعت مسجد میں پڑھی اور حسب معمول دو گھنٹے ورزش کرتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کی اور وظائف پڑھے اور یوں اپنی زندگی کی آخری صبح تک اطاعت، تقوی، قرآن مجید کی تلاوت، طہارت، استقامت اور تدریس کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے اپنے رب سے واصل ہوئے۔

یو۔کے میں بعض قانونی دشواریوں کی وجہ سے آپ کا جنازہ چار روز بعد بروز جمعرات شام چھ بج کر پچاس منٹ پر جامعہ اسلامیہ حضرت سلطان باہو ٹرسٹ برمنگھم میں آپ کے شاگرد مفتی یار محمد قادری کی اقتدا میں ہوا۔ جنازے کے موقع پر قاری علی محمد نے تلاوت فرمائی اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کی نعت "لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے" پڑھی جس سے ہر شخص کی آنکھیں تر ہو گئیں پھر علامہ غلام محمد سیالوی [کراچی]، استاذ العلما علامہ فضل سبحان قادری [مردان]، مفتی محمد اسلم بندیالوی، مفتی گل رحمٰن قادری یوکے، پیرزادہ امداد حسین اور خطیب اہل سنت علامہ سید ظفر اللہ شاہ نے خراج عقیدت پیش کیا۔ آخری دعا علامہ پیر حبیب الرحمن محبوبی [ڈھانگری شریف، کشمیر] نے فرمائی۔ آپ کی نماز جنازہ میں مندرجہ بالا شخصیات کے علاوہ یہ علمائے گرامی بھی شریک ہوئے: علامہ رسول بخش سعیدی، علامہ حیات محمد قادری [ہجیرہ، کشمیر] علامہ پیر محمد عبد اللہ عتیق نقش بندی، صاحب زادہ پیر منور حسین جماعتی، علامہ غلام نبی [کراچی]، مفتی محمد شفیع الہاشمی، علامہ صاحب زادہ محمد مسعود قادری [امہ چینل بولٹن]، مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی، مولانا صاحب زادہ غلام جیلانی [ہائی ویکم]، صاحب زادہ مصباح المالک لقمانوی [برمنگھم]، علامہ پیر محمد ثاقب شامی، مولانا ظفر محمود فراشوی [مانچسٹر]، مولانا قاری انور قمر، قاری پروفیسر عبد الغفور چشتی، مولانا بوستان قادری، قاری محمد سلیم نقشبندی، مولانا نیاز احمد صدیقی، مولانا عبد الرحمن سلطانی، مولانا حافظ عنایت علی، صاحب زادہ مولانا طیب الرحمن، مفتی محمد فاضل نقشبندی [بریڈ فورڈ]، قاری محمد شعیب چشتی، مولانا عمر حیات قادری، مولانا عبد القدوس ہاشمی، مولانا شیخ اسرار، مولانا شیخ نوید جمیل قادری، مولانا شیخ اعجاز شامی، مولانا محمد عامر، مولانا شیخ یاسین، شیخ امجد محمود، مولانا محمد راشد، مولانا شیخ زین ہود، مولانا محمد عاصم وغیرہم۔

حضرت علیہ الرحمہ کے جسد مبارک کو اہل سنت وجماعت کے عظیم مرکز گھمکول شریف کے غسل خانہ میں غسل دیا گیا اور شریک غسل آپ کے یہ تلامذہ تھے: آپ کے صاحب زادے مولانا محمد اسماعیل، مولانا محمد ہارون، مولانا عبد القدیر، مولانا محمد سعید، اور فقیر محمد منور عتیق۔

بروز ہفتہ صبح آٹھ بجے حضرت علیہ الرحمہ کا دوسرا جنازہ لاہور ایئر پورٹ پر علمائے لاہور نے ادا کیا اور تیسرا جنازہ دن کے تین [۳] بجے غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار کے پاس عید گاہ میں علامہ صاحب زادہ سید حامد سعید کاظمی نے پڑھایا اور آخری جنازہ اسی دن آپ کے آبائی گاوں میں ہوا اور نماز عصر کے وقت آپ کو ابدی راحت کے لیے اپنے مدرسے میں دفن کیا گیا جو کہ تونسہ شریف سے آگے تقریبا پچیس کلومیٹر پل کمبر کی جانب اڈا سنجر کے علاقہ میں واقع ہے۔

..........(باقی ص:۴۸ پر)

فکر و نظر

منشیات کی روک تھام: تجاویز اور اقدامات

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

دسمبر ۲۰۱۴ء کا عنوان — لو جہاد: حقیقت کیا ہے؟

جنوری ۲۰۱۵ء کا عنوان — ملفوظاتِ صوفیہ: ایک گراں قدر ادبی سرمایہ

منشیات کی روک تھام، کیوں اور کیسے؟

حیدر رضا مصباحی پورنوی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، haidermisbahi90@gmail.com

ابھی آفتابِ اسلام طلوع نہیں ہوا ہے، پوری دنیا بالخصوص عرب رنگ ریلیوں میں مگن ہے۔ شراب نوشی، قمار بازی، زناکاری اور دوسری برائیاں اوفان پر ہیں۔ حد تو یہ کہ ان سیئات کے ارتکاب کو معیارِ عظمت تصور کیا جانے لگا ہے۔

کفر و ظلمت اور جور و ستم کا خاتمہ کرنے کے لیے اسلام اپنی چادرِ رحمت پھیلاتے ہوئے دنیا کو منور کر رہا ہے۔ لوگ ابتداً اس کی مخالفت کے بعد آہستہ آہستہ اس کے دامنِ کرم سے وابستہ ہو کر اپنی قسمت کا ستارہ چمکا رہے ہیں۔ لیکن ابھی ان میں شراب نوشی کا سلسلہ جاری ہے کہ ایک دن ربِ کائنات کا ارشاد نازل ہوتا ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.(البقرۃ:۲۱۹)

ترجمہ: تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شراب کی محبت ان کی گھٹی میں پلادی گئی ہو؛ جبھی تو وہ اس ارشاد کے جواب میں کہتے ہیں: "ٹھیک ہے، اب ہم اپنی منفعت کے لیے شراب پیا کریں گے، گناہ کے لیے نہیں۔"

اس کا عملی مظاہرہ اس وقت سامنے آتا ہے، جب ایک صحابی شراب پی کر مصلاے امامت پر کھڑے ہوتے ہیں اور سورۂ کافرون میں "لا اعبد ما تعبدون" کی بجاے 'اعبد ما تعبدون' پڑھ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے قرآن مجید میں اس طرح کی خطا کرنا انتہائی سنگین ہے۔ اس لیے اللہ عزوجل فوراً یہ آیت اتارتا ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى.

(النساء: آیت:۴۳)

ترجمہ: نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔

شراب کی زلف گرہ گیر کے یہ اسیر سمجھتے ہیں کہ نشے کی کیفیت میں نماز سے منع کیا گیا ہے؛ چلو، اب ہم اس مشروب سے کچھ اس طرح نمٹیں گے کہ حق محبت بھی ادا ہو جائے گا اور نماز میں سکر کی کیفیت بھی پیدا نہیں ہوگی۔ حضرت فاروق اعظم جیسا دینی حمیت سے

پر شخص ان حالات کو دیکھ کر تلملا اٹھتا ہے اور اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوتا ہے: "اے اللہ! شراب کے سلسلے میں کوئی شافی بیان نازل فرما۔" محبوب بندے کی اس ادا کو دیکھ کر حکمتِ خداوندی جوش میں آجاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ [مائدہ:۹۰،۹۱]

ترجمہ: شراب، جوا، فال نکالنے کے تیر اور بت، ناپاک شیطانی عمل ہیں۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوا میں تمھارے درمیان دشمنی اور بغض و نفرت ڈال دے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں:

"انتھینا، انتھینا، انتھینا" (ہم باز آگئے.......)۔

پھر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے منادی ببانگ دہل پکارتا ہے: "الا ان الخمر قد حرمت" (سن لو، اب شراب حرام کر دی گئی ہے)۔

نہ جانے مذکورہ ارشادات میں وہ کون سی قوت ہے کہ معاشرے کی کایا پلٹ جاتی ہے اور شراب کے ایسے رسیا لوگ یک لخت اس وبا کو خیر آباد کہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس مشروب سے ان کی نفرت کی آگ کو اور دہکانے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان برتنوں تک کو توڑ ڈالنے کا حکم صادر فرماتے ہیں، جن میں اب سے پہلے وہ شراب کے چسکے لیا کرتے تھے۔

ایک طرف عرب کے ان خانہ بدوش اور صحرانشینوں کا یہ عالم کہ کس طرح یہ حضرات شراب سے یکسر اپنا ناطہ توڑ کر پاک وصاف ہو گئے۔ اور دوسری جانب آج کی نام نہاد مہذب اور متمدن دنیا کے لوگ ہیں کہ نت نئی سینکڑوں ترکیبوں کے باوجود شراب اور دوسری منشیات سے باز نہیں آرہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کے پٹھو 'اقوام متحدہ' کی جنرل اسمبلی نے ۲۶ جون ۱۹۸۷ء کو دنیا میں بڑھتے ہوئے منشیات کے کاروبار اور اس کے سبب لامحدود مسائل سے دوچار معاشرے کو نجات دلانے کے لیے بین الاقوامی سطح پر ایک دن منانے کا فیصلہ کیا تھا۔ چناں چہ ہر سال مذکورہ تاریخ کو پوری دنیا میں "یوم انسداد منشیات" منایا جاتا ہے۔ مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ یہ لعنت کم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ لے بھی کیسے؛ کہ اقوام متحدہ کا مقصد اس برائی کو دنیا سے مٹانا ہے ہی نہیں۔ پورے سال نشہ خوری کے عادی لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے؛ تاکہ امریکہ اور دوسرے ممالک کی منشیات کی صنعت پھلتی پھولتی رہے۔ اور پھر ایک دن "انسداد" کے نام پر واویلہ مچاکر یہ پٹھو ادارہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہوگئے۔

اس کے علاوہ ہر ملک میں سرکاری وغیر سرکاری تنظیمیں منشیات کی روک تھام کے لیے سرگرم ہیں؛ مگر نتیجہ صفر۔ خود وطنِ عزیز ہندوستان میں ۳۶۱ رضاکار ادارے اس میدان میں کام کر رہے ہیں۔ لیکن اس میں کمی تو در کنار؛ روزافزوں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

شراب کی روک تھام اسلام نے اس طرح کی کہ ایک مدت تک کے لیے مسلم معاشرے سے اس کا وجود ہی ختم ہوگیا تھا۔ اور یہی کام آج پوری دنیا مل کر رہی ہے؛ لیکن اس کا ایک بال بھی بیکا کرنے سے عاجز نظر آرہی ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا غیر مناسب نہیں ہوگا کہ منشیات سے مراد وہ دوائیں ہیں، جن کے استعمال سے سرور وانبساط کی کیفیت طاری ہو؛ دنیا سے بے نیازی، نیند، بے ہوشی اور بدمستی کا عالم چھا جائے اور انسان کچھ دیر کے لیے اپنا دکھ درد سب بھول جائے۔ ظاہر ہے اوائلِ اسلام میں اس کے ذرائع محدود تھے، جن میں قابلِ ذکر خمر یعنی شراب ہے۔ لیکن آج جب کہ دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے تو اب اس کے تحت بہت سی چیزیں آتی ہیں؛ مثلاً: (۱) افیون سے بنائی جانے والی اشیا؛ ہیروئن کی خباثت اسی سے متعلق ہے؛ (۲) بر انگیختہ کرنے والی چیزیں؛ جیسے: شراب اور کوکین؛ (۳) تصورات اور خوابوں میں لے جانے والے مادے؛ مثلاً: بھنگ اور چرس؛ (۴) نشہ آور انجکشن وغیرہ۔

نشہ خوری کے اسباب:

اس مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب ہیں، جو انسان کو شراب اور دوسری منشیات کا عادی بناتے ہیں، تو آئیے ایک نظر ڈالتے ہیں اس کی کچھ علتوں پر:

(الف)- یادِ خدا سے غفلت: آج انسان خدا کی یاد سے غافل ہوکر دنیا کی رنگینیوں میں پھنستا جا رہا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے اطمینان و چین حاصل کرنے کی بجائے عارضی سہولتوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ اس لیے منشیات کی پناہ لیتا ہے اور حیاسوز جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔

(ب)۔بے مقصد زندگی: بہت سے لوگ یہی نہیں جانتے کہ وہ دنیا میں کیوں بھیجے گئے ہیں؛ان کی تخلیق کا حاصل کیا ہے۔ظاہر ہے ایسے سرپھرے لطف اندوزی کو ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھتے ہیں اور پھر اس کی تحصیل میں جائز ناجائز سب کام کر گزرتے ہیں۔

(ج)۔ناکامی/مایوسی: ہم میں سے بہت ایسے ہیں کہ جب انہیں اپنے کسی مقصد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔اور پھر اس کا غم بھلانے کے لیے منشیات کی بانہوں میں جاکر اٹھکیلیاں کرنے لگتے ہیں۔

(د)۔بے روزگاری: بے روزگاری دھیرے دھیرے پوری دنیا میں اپنے پیر جمار ہی ہے۔بارہا دیکھا جاتا ہے کہ ایک نوجوان جو اس بلا کا شکار ہوتا ہے اور ملازمت سے ناامید ہو جاتا ہے،تو پھر اس کے لیے ہاتھ پیر مارنے کی بجائے لہو ولعب،سرقہ بازی،ڈاکہ زنی اور نشہ خوری کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے (الا ماشاء اللہ)۔

(ہ)۔والدین/اساتذہ کی عدم توجہی: اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کچھ نوخیز لڑکے منشیات کے خوگر اس لیے ہو جاتے ہیں کہ گھر میں ان کے والدین اچھی طرح نگرانی نہیں کرتے؛یا اس لیے کہ تعلیمی اداروں میں اساتذہ ان کے اخلاق و کردار پر توجہ نہیں دیتے۔

(و)۔ازدواجی جھگڑے: آپس کی ناچاقیاں،میاں بیوی کے جھگڑے انسانی زندگی کے لازمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ایسے معاملات میں ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تلخیاں مٹاکر رشتوں کو مستحکم کریں لیکن کچھ لوگ اپنے اس فریضے سے منہ چراتے ہیں اور رشتے ناطوں کو توڑتے ہوئے منشیات سے اپنا تعلق استوار کرنے لگتے ہیں۔

منشیات کی روک تھام ،کیوں ؟

ظاہر ہے ایک مسلمان کو نشہ خوری سے باز آنے/رہنے کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے حرام فرمایا ہے؛جیسا کہ اس کی تفصیلات شروع میں گزر چکی ہیں۔نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب کو ساری برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے:"الخمر ام الخبائث"اور یہ بدیہی بات ہے کہ جو شی برائیوں کی جڑ ہو،یقیناً اشد حرام ہوگی۔لیکن چوں کہ آج ہماری اکثریت مادہ پرستی کے سمندر میں اس قدر ڈوب چکی ہے کہ جب تک ہمیں کسی کام میں دنیوی منافع نظر نہ آئیں،اس وقت تک اس میں ہماری دل چسپی پیدا نہیں ہوتی؛یوں ہی تب تک ہم کسی عمل سے باز نہیں آتے،جب تک ہمیں اس کے دنیوی نقصانات کا یقین نہیں ہو جاتا۔اس لیے یہاں ایک مختصر فہرست پیش کی جارہی ہے،جو ظاہر پرستوں کو اس سوال کا تشفی بخش جواب دے گی کہ آخر نشہ خوری کی روک تھام کیوں ضروری ہے:

۱۔جسمانی امراض: منشیات سے آدمی کچھ لمحے کے لیے لطف اندوز ضرور ہو جاتا ہے؛مگر اس کے نتیجے میں جو مہلک امراض اس کے جسم میں جنم لیتے ہیں،اگر وہ ان سے واقف ہو جائے اور اسے اپنی صحت عزیز ہو تو زیادہ امید یہ ہے کہ وہ اس سے باز آجائے گا۔ذیل میں ان بیماریوں کے اسما درج کیے جارہے ہیں،جو نشہ خوری کے باعث پیدا ہوتی ہیں:(الف)جگر کی بیماریاں جنم لیتی ہیں ؛(ب) High/ low blood pressure کی شکایت پیدا ہوتی ہے ؛ (ج)دل متاثر ہوتا ہے؛ (د)ہڈیاں کمزور ہوتی ہیں؛(ہ)کینسر ہوتا ہے؛(و)یادداشت کمزور ہوتی ہے؛(ز)نیند متاثر ہوتی ہے؛(ح)آدمی ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے،وغیرہ۔

۲۔صنف نازک پر ظلم: آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ آدمی شراب یا اور کوئی نشہ آور دوا پی/کھاکر بدمست ہو جاتا ہے۔پھر اپنی بیوی کو گالی گلوج ہی نہیں؛بلکہ اس پر جور و ستم کے پہاڑ توڑتا ہے ؛ طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے؛یہاں تک کہ بسا اوقات نوبت طلاق تک کی آجاتی ہے۔

۳۔رشتے ناطوں میں ناچاقیاں : عموماً دیکھا جاتا ہے کہ نشہ خور لوگ بدمستی میں الم غلم،آئیں بائیں شائیں بکتے ہیں؛موقع بے موقع ہنستے کھلکھلاتے ہیں۔وجہ دریافت کرنے پر آگ بگولہ ہوکر ناشائستہ حرکتیں؛ یہاں تک کہ لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔اس طرح معاشرے کا شیرازہ بکھرتا ہے؛رشتے ناطے بگڑتے ہیں؛روابط خراب ہوتے ہیں اور آپسی تعلقات میں دراڑ پیدا ہوتا ہے۔

۴۔بچوں کا استحصال: مشاہدات اس کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ کثرت سے منشیات کا استعمال کرنے والے لوگ بالعموم اپنی اولاد کی تربیت سے عاجز رہتے ہیں،ان کی تعلیم اور ان کے اخلاق سے یکسر لاتعلق رہتے ہیں۔جس کے نتیجے میں ان میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔وہ حد سے زیادہ کھیل کود اور لایعنی،بلکہ مفسد اخلاق کاموں مثلاً:نشہ خوری،سرقہ بازی،ڈاکہ زنی وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں پس بچے،جو کسی بھی قوم کی امانت اور مستقبل کی امید ہوتے ہیں،اپنے

حقوق سے محروم ہو کر اپنوں کے ہی ہاتھوں استحصال کی بھٹی پر چڑھا دیے جاتے ہیں۔ چناں چہ ایک سروے کے مطابق ہندوستان میں ۷۷ فی صد منشیات خوروں کی عمر ۱۱ سے ۱۸ سال کی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نہ جانے ہر سال کتنے لاکھ بچے اس لعنت میں پھنس کر اپنی دنیا و آخرت تباہ و برباد کر رہے ہیں۔

۵۔ سڑک حادثات کی کثرت: بھارت میں سب سے زیادہ غیر فطری اموات (سڑک حادثہ، خود کشی، قتل کے سبب موت) سڑک حادثے سے ہوتی ہیں۔ اور یہ جان کر آپ کو سخت حیرت ہوگی کہ نصف سے زائد سڑک حادثات نشہ خوری کے رہینِ منت ہوتے ہیں؛ جیسا کہ ایک رپورٹ میں اس کا انکشاف ہوا۔ ذرا سوچئے، اگر منشیات کی صحیح سے روک تھام ہو جائے تو ہر سال نہ جانے کتنی انسانی جانیں محفوظ رہیں گی!

۶۔ جرائم میں بے تحاشا اضافہ: ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ علی گڑھ سے شائع ہونے والے ایک معروف ہندی روز نامہ 'امر اجالا' میں ایک تصویر راقم کی نظر سے گزری، جس میں چند نوجوان انجکشن کے ذریعہ نشیلی دوا لیتے دکھائے گئے تھے۔ اور نیچے اخبار نے ان کے متعلق لکھا تھا کہ "یہ لوگ ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ نشے میں دھت بے فکر ہو کر چوری، ڈاکہ زنی، عصمت دری اور دیگر جرائم کا ارتکاب کریں۔" اس کے بعد مجھے اس سروے کی پوری تصدیق ہو گئی، جس میں کہا گیا ہے کہ "نصف سے زائد جرائم منشیات کے سبب وقوع پذیر ہوتے ہیں۔" (انٹرنیٹ)

اس حوالے سے وہ بات بھی قابلِ غور ہے، جو نصف صدی پہلے ایک جرمن ڈاکٹر نے کہی تھی: "تم شراب کی آدھی دکانیں بند کر دو تو میں تمہیں آدھے ہسپتال، جرائم کے اڈے اور جیلوں کے بند ہو جانے کی ضمانت دیتا ہوں۔" (انٹرنیٹ)

ان حقائق کو سامنے رکھ کر میرا دل عجب فرحت کی کیفیت سے سرشار ہو رہا ہے؛ کہ میں اس وقت "الخمر ام الخبائث" کے تئیں 'علم الیقین' کی منزل کو پار کر کے 'عین الیقین' کے راستے پر گام زن ہوں۔

منشیات کی روک تھام، کیسے؟

اب سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ آخر اس لعنت سے لوگوں کو کس طریقے دور رکھ جائے: اسے کس طرح جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے؟ اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو کیسے اسے کم سے کم کیا جائے، تو لیجئے پیش ہیں آپ کی خدمت میں کچھ تجویزات:

۱۔ خوفِ خدا: آج کے اس پر فتن دور میں، جب کہ چہار سو فواحش اور ہیجان انگیز مناظر کا ایک سیلاب امنڈ پڑا ہے، خوفِ خدا ہی وہ مضبوط ڈھال ہے، جو انسان کو برائیوں کے چو طرفہ حملوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اگر اس کا قلب خشیت الٰہی سے لرزاں ہو تو وہ ہر اس چیز سے دوری بنائے رکھ سکتا ہے، جو اس کے مولیٰ کو پسند نہیں۔ اور اگر کسی کا دل اس نعمت سے خالی ہو تو پھر دنیا کا کوئی قانون اسے اپنے سامنے نہیں جھکا سکتا؛ کوئی طاقت اسے جرائم کے ارتکاب سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے نشہ خوری کے سرکش گھوڑے کی رفتار کو ماند کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو خوفِ خدا کی لگام پہنائی جائے۔

۲۔ منشیات تک رسائی مشکل ہو: نشہ خوری کے سدِ باب کا سب سے آسان طریقہ تو یہی ہے کہ حکومت نشہ آور دواؤں کی صنعت پر پابندی لگا دے۔ لیکن مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ منشیاتی کمپنیوں سے ٹیکس کے طور پر حاصل ہونے والی خطیر رقم کو دیکھتے ہوئے، ایسا ہو پانا گدھے کے سر میں سینگ نمودار ہونے کے مترادف ہے۔

ہاں، یہ کیا جا سکتا ہے کہ منشیات تک عوام کی پہنچ پیچیدہ کر دی جائے: بایں طور کہ عام گزر گاہوں، اسٹیشنوں اور اس طرح کے دوسرے مقامات پر نشہ آور اشیا کی دکانوں پر پابندی ہو؛ نشہ کے غیر قانونی کاروبار کے خلاف سخت کارروائی کی جائے؛ منشیات کی قیمت آسمان پر اس لیے چڑھا دی جائے تاکہ کم سے کم غریب طبقہ اس کے عادی بننے کی ہمت نہ جٹا سکے۔

یہ صحیح ہے کہ اس آخری صورت میں چوری، ڈاکہ زنی جیسے سنگین جرائم میں اضافہ ہونے کا خدشہ لگا رہے گا؛ سو اس کی روک تھام کے لیے پولیس والوں کو چوکسی برتنی پڑے گی۔ مگر اس میں بھی شبہہ نہیں ہے کہ مذکورہ اقدام سے غربت کے مارے ایسے لوگ ضرور نشہ خوری سے باز آجائیں گے / اس کی عادت ڈالنے کی نہیں سوچ سکیں گے، جو سرقہ بازی وغیرہ سے کسی سبب سے عاجز ہیں یا بزدل ہیں۔

۳۔ ذرائعِ ابلاغ کا کردار: انسان کی فطرت کچھ یوں واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنی جان سے حد سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سانپ اور دوسرے موذی جانوروں سے بھاگتا ہے۔ اس لیے اگر ذرائعِ ابلاغ (اخبارات، مجلات، ٹیلی ویژن چینل، فیس بوک وغیرہ)

نشہ خوری کے جان لیوا امراض اور نقصانات پر پابندی سے مضامین شائع کرتے رہیں/بحثیں جاری رکھیں تو وہ لوگ جنہیں واقعی اپنی زندگی عزیز ہوگی ، امید ہے کہ نشہ خوری کی حقیقی تباہیوں سے واقفیت کے بعد، اس سے گریز کرنے کی کوشش کریں گے۔

۴۔ والدین/اساتذہ کی ذمہ داری: اس سلسلے میں نوخیز جوانوں کے والدین/اساتذہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جیسے ہی وہ بچوں میں نشہ خوری کی علامتوں (مثلاً: وزن کم ہونا؛ رنگ زرد پڑنا؛ مزاج میں چڑچڑاپن؛ رات میں دیر سے گھر آنا؛ گھر والوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا تناول کرنے سے کترانا؛ اپنی صفائی ستھرائی پر توجہ نہ دینا؛ اسکولز، کالجز سے معتاد سے زیادہ غائب رہنا) میں سے کچھ بھی محسوس کریں تو فوراً اس کے تدارک کی کوشش کریں اور انہیں مناسب حال کھیل کود اور دیگر صحت مندانہ سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ مصروف رکھیں۔

۵۔ سزا یافتہ لوگوں کی تشہیر: نشہ خوری سے بدمست ہوکر پڑے رہنے والوں کی تصاویر مع ان کے اسماو پتا کے چھاپی جائیں، جو زبانِ حال سے ان کی حالتِ زار کی کہانی بیان کرتی ہوں۔ نیز ایسے مجرمین کو جب سزا دی جائے تو پمفلیٹ میں ان کی تصویریں سزا کی صراحت کے ساتھ شائع کرکے عام گزرگاہوں ، اسٹیشنوں میں چسپاں کی جائیں ۔ اگر نشہ خوروں میں ذرا بھی اپنی عزتِ نفس کا خیال ہوگا تو وہ اس طرح کے فوٹو دیکھنے کے بعد عبرت پکڑیں گے اور اس لعنت سے دور رہنے کی کوشش کریں گے۔

۶۔ نصاب تعلیم میں اخلاقیات کی شمولیت: اس حوالے سے ایک اہم پیش رفت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسکولز/کالجز کے نصاب میں اخلاقیات کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔ جس میں نشہ خوری کے انفرادی، طبی، ازدواجی، سماجی اور دیگر نقصانات کا بھرپور تذکرہ ہو۔ نیز حکومت نے منشیات استعمال کرنے والوں کے خلاف جو قوانین وضع کیے ہیں، انہیں بیان کیا گیا ہو۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان کے اذہان و قلوب میں یہ بٹھا دیا جائے کہ تعلیم کا مقصد معاشی حیوان بنانا نہیں؛ بلکہ اس کی غایت انسان کو ایک اچھا شہری بنانا ہے۔ اور وہ شخص اچھا شہری ہرگز نہیں ہو سکتا، جو اس طرح کی لعنتوں میں ملوث رہے۔

۷۔ حکومتی کارڈس پر سلوگن: اس باب میں یہ اقدام بھی کارگر ثابت ہو سکتا ہے کہ ریلوے/ہوائی ٹکٹ اور دوسرے حکومتی کاموں کی رسید پر ایسے نعرے لکھے ہوں، جالوگوں کو نشہ خوری سے باز رکھنے میں معاون ہوں ؛ مثلاً: ملک کو اس وبا سے پاک وصاف کرنے/رکھنے کا کوئی جذباتی نعرہ ہو وغیرہ۔ اس جرم کی سزائیں لکھی ہوں۔

اخیر میں دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ہمیں عقلِ سلیم عطا فرمائے؛ ان لعنتوں سے اپنی عافیت میں رکھے اور نشہ خوری کے عادی لوگوں کو اس سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ ☆☆☆☆

شراب پر مکمل پابندی کے بغیر منشیات مخالف مہم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی

از: توفیق احسن برکاتی، مصباحی ممبئ taufiqahsan92@gmail

لفظ منشیات کا معنیٰ جہاں نشہ آور چیزوں کا استعمال اور ان کی معاونت کرنے والے اعمال سے عبارت ہے۔ شراب نوشی، ہیروئین، افیون کا استعمال، چرس گانجا، بھانگ، وہسکی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے، بلکہ ہائی پروفائل لوگوں پر مشتمل ہے یہ مالداروں کا وہ طبقہ ہے جو پوش علاقوں میں رہائش پذیر ہے، جن کے یہاں دولت کی ریل پیل ہے، اسباب آرائش کی فراوانی ہے، یہ عیش وعشرت کے شوقین ہیں، فیشن اور مغربیت کے دلدادہ ہیں۔ وہ خود بھی ان کے بچے بھی، لڑکے لڑکیاں سب، یہ بچے مہنگے میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں یونیورسٹیوں میں تعلیم

اب تو نشہ آور انجیکشن بھی مارکیٹ میں دست یاب ہیں جنہیں نشہ نہیں کیف وسرور کا نام دیا گیا ہے۔

منشیات سے متعلق افراد دو گروپ میں بٹے ہوئے ہیں، ایک گروپ حاصل کرتے ہیں۔ ان کا مزاج اور رہن سہن بالکل عاشقانہ اور عیاشانہ ہوتا ہے، یہ گینگ کی شکل میں بہت جلد تشدد پر بھی آمادہ ہوجاتے ہیں، ان میں چند ہی ایسے ہوتے ہیں جو آوارہ مزاج نہ رکھتے ہوں گے، یہ بچے گھر میں رہتے ہوں یا ہاسٹل میں قیام کرتے ہوں اکثر شراب کے عادی ہوتے ہیں دوستی اور ہمدردی کے نام پر جنسی تعلقات تک سے گریز نہیں کرتے،

گرل فرینڈان کی زندگی کا لازمی حصہ ہوتی ہے، یہ بچے اور ان کے والدین فیشن کے نام پر بھی منشیات میں ملوث ہوتے ہیں، اعلیٰ دماغ اور ترقی کے نام پر بھی وہ مختلف جرائم میں ملوث نظر آتے ہیں اور اسے غلط نہیں سمجھتے۔ مختلف مواقع پر منعقد کی جانے والی پارٹیاں اور شادی بیاہ کی تقریبات میں شراب، برہنہ، نیم برہنہ ڈانس عام بات ہوتی ہے، اور ان لوازمات کے بغیر وہ اپنی محفلوں کو ناکام اور پھیکا تصور کرتے ہیں۔

دوسرا گروپ انتہائی غریب، دبے کچلے، گھر سے بے گھر افراد پر مشتمل ہوتا ہے، ان کی اپنی کوئی نوکری نہیں ہوتی، وہ دن بھر یہاں وہاں پاکٹ ماری کا کام کرتے ہیں، آنکھوں میں دھول جھونک کر روپے اڑا لیتے ہیں، ان میں معدودے چندیاں اور بھگار کی چھوٹی چھوٹی چیزیں اکٹھا کر کے دوکانوں پر فروخت کرتے ہیں اور پھر ان روپوں کی شراب اور نشیلی اشیا خرید کر اپنے ذوق کی تسکین دیتے ہوئے راتیں بسر کر لیتے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو گلی کے نکڑوں پر، گندی جگہوں پر اپنا ایک مخصوص اڈہ بنا لیتے ہیں اور گروپ کی شکل میں بیٹھ کر یہ شغل سفاک کرتے دکھائی دیتے ہیں، ان کے لیے رات دن کی کوئی قید نہیں ہوتی، یہ بڑے ڈھیٹ قسم کے ہوتے ہیں، ان کی اپنی گینگ بھی ہوتی ہے جو ان کے خلاف کسی قسم کی تادیبی کارروائی کو ناکام بنادینے پر تل جاتی ہے۔ اس گروپ میں بچے سے لے کر بوڑھے تک ہوا کرتے ہیں، آوارہ مزاجی ان کی رگ رگ میں سمائی رہتی ہے، بسا اوقات شادی شدہ اوباش قسم کے مرد بھی یہ گھناونا اور گھٹیا کام کرتے ہیں۔

لیکن ہاں ایک تیسرا طبقہ بھی ہے وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں، دوکانوں اور کمپنیوں میں نوکریاں کرتے ہیں یا کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ منشیات کے شوقین ہوتے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شراب نوشی کے لیے اپنی بیویوں کے زیورات تک بیچ ڈالتے ہیں۔

منشیات میں ملوث جن تین گروہوں کی وضاحت ہم نے کی ہے دوسرے شہروں کی بہ نسبت عروس البلاد ممبئی میں ان کی تعداد کچھ زیادہ ہی ہے ورنہ دلی، کولکاتہ، چنئی، گوا، وغیرہ بھی ممبئی سے کم نہیں ہیں، اور سب سے زیادہ حیران کن اور افسوس ناک حقیقت تو یہ ہے کہ پورے ملک میں شراب پر کہیں بھی پابندی نہیں ہے۔ صرف ایک صوبہ ایسا ہے جہاں شراب پر ریاستی حکومت کی جانب سے قانونی پابندی ہے، انیس الحسن صدیقی اپنے ایک مضمون "جد وجہد آزادی ابھی جاری ہے" میں سماجی رویوں کی عدم تبدیلی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پورے ہندوستان میں صرف ایک صوبہ گجرات ایسا ہے جہاں برسوں سے شراب پر پابندی ہے ورنہ تو ہر صوبے میں شراب، تمباکو، اور نشہ آور چیزوں کا کھلے عام استعمال ہو رہا ہے۔"

(ماہنامہ اردو دنیا، نئی دلی، شمارہ اگست ۲۰۱۴ء، ص:۱۰)

اگر چہ گجرات میں بھی غیر قانونی اور چوری چھپے منشیات کا کاروبار بھی ہوتا ہے اور نشہ آور چیزوں اور ادویات کا استعمال بھی لیکن قانون ایسے عمل کو جرم گردانتا ہے۔ کاش یہ سسٹم پورے ملک میں رائج کر دیا جاتا تو کچھ حد تک سہی منشیات پر روک ضرور لگتی لیکن افسوس ایسا ہو نہیں رہا ہے، حکومتیں شراب کے کاروباریوں کو اجازت نامے دیتی ہے، انہیں ان چیزوں کی فروخت کا قانونی جواز حاصل ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ اب سماج کو ان برائیوں سے کیسے پاک کیا جا سکے گا؟۔

ذرا غور کریں، منشیات کا ہمارے سماج میں ہوش رُبا اضافہ کس قدر خوف ناک اور گھناؤنی صورت حال پیدا کرنے کا داعیہ بن رہا ہے، صرف شراب کی بنیاد پر کیسی کیسی برائیاں ہمارے معاشرے میں جنم لے رہی ہیں، نشے کی یہ لت ہمارے خانگی حالات پر کس طرح براہ راست اثر انداز ہوتی ہے، جس طرح مرد وزن کا آزادانہ اختلاط، کالجوں یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم، کمپنیوں آفسوں میں لڑکے لڑکیوں کی ایک ساتھ مشقیں، ہنسی مذاق سے چھیڑ خانی، عصمت ریزی، آبرو باختگی کو بڑھاوا مل رہا ہے، رشتوں میں کمزوری آرہی ہے، اسی طرح شراب نوشی نے بھی مجموعی طور پر خوانی زندگی میں اضطراب جیسی صورت حال پیدا کی ہے۔ انسان کی گھریلو زندگی بھی اس سے پوری طرح متاثر ہے، بیوی پر تشدد، بچوں کی بے جا سرزنش، پڑوسیوں سے گالی گلوج، طلاق کی شرحوں میں اضافہ، قتل وغارت گری، نابالغ بچوں، بچیوں پر دست درازی، والدین پر طعن وتشنیع، پاکیزہ رشتوں کی پامالی، خانگی مسائل سے عدم توجہی، معاشی حالات کی ابتری جیسے ناگفتہ بہ احوال اور قابل افسوس وطیرۂ زندگی کی ایک بڑی وجہ شراب نوشی کی لعنت بھی ہے، خود فرمان رسول ﷺ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شراب اُم الخبائث ہے، شراب تمام بے حیائیوں کی ماں ہے، اس سے برائیاں جنم لیتی ہیں، انارکی پھیلتی ہے اور بداخلاقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

بعض مغربیت زدہ افراد یہ بہانہ پیش کرتے ہیں کہ یہ نشہ آور

اَدویات اور منشیات کے لوازمات انسانی غموں اور ڈپریشن سے نجات کا ذریعہ ہیں، چند لمحے سہی ایک غم زدہ اور آلام روزگار کا مارا انسان اپنا سارا غم بھول جاتا ہے۔ یہ بہانہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے جیسا ہے یا ایسا ہی ہے جیسے کپڑے پر لگی نجاست وگندگی کو پیشاب سے صاف کرنا۔ یہ صرف خیالِ خام ہے اور کچھ نہیں۔ یہ بھی کوئی علاج ہے؟ یہ بھی کوئی دانش وری ہے؟؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اگر نشے کا چسکا اس کو لگ گیا تو نا ختم ہونے والے غم اور انسانیت سوز زندگی سے اسے کوئی بچا سکتا ہے؟؟

ایسے مناظر فلموں اور ٹی وی سیریلوں میں بھی دکھائے جاتے ہیں کہ نشہ بالخصوص شراب نوشی غموں کا علاج ہے۔ ناول وافسانہ بھی ان منفی رویوں سے خالی نہیں۔ معروف افسانہ نگار محمد بشیر مالیر کوٹلوی بنگالی ناول اور فلم دیوداس کے منفی کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے قم طراز ہیں:

"اس طرح کا کردار دیوداس تھا جو اس زمرے میں آتا ہے۔ اس بنگالی ناول پر تین بار فلم بن چکی ہے۔ حالاں کہ اس فلم کا اس کہانی کا پیغام انتہائی منفی ہے۔ ایک نوجوان کا محبت میں ناکام ہو کر شراب میں ڈوب جانا اور مرجانا۔ ادب کے تاجر، فن بیچنے اور خریدنے والے کہاں اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس فلم کے تھیم کا نوجوان طبقے پر منفی اثر پڑے گا یا مثبت"۔

(ماہ نامہ اردو دنیا: افسانے میں کردار نگاری کی اہمیت، اگست ۲۰۱۴ء، ص ۴۵)

گویا منشیات کے فروغ میں یہ فلمستان بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے، ڈرگس مافیاؤں کی تو ہر وقت چاندی ہی چاندی ہے، وہ کسی نہ کسی جہت سے منشیات میں ملوث ہر تین طبقے کے افراد سے رابطہ بنائے رہتے ہیں اور قانون کی طرف سے مطمئن ہو کر یہ گورکھ دھندا بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھا رہے ہیں۔ میری سمجھ سے سماج میں ہر طرح کی برائیوں، بے حیائیوں، ظلم وتشدد، حق تلفی اور زیادتی ودھوکہ دہی میں یہ فلمیں اور شراب بنیادی کردار کرتی ہے، حالات کا تجزیہ یہی باور کراتا ہے، یقین نہ آئے تو ہندی دینک جاگرن انٹرنیٹ ایڈیشن یکم ستمبر ۲۰۱۴ء بروز دوشنبہ میں موجود یہ خبر دل تھام کر پڑھیں!!! اخبار لکھتا ہے:

"جارجیا کے ایفنگم کاونٹی میں کچھ ایسا ہی دیکھنے کو ملا جہاں لو اسٹوری پر مبنی فلم "دی نوٹ بک" دیکھنے کے بعد ایک سگے بھائی بہن پر ایسا اثر ہوا کہ ان کے بیچ وہ سب کچھ ہو گیا جس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ ویب سائٹ میٹرو کے مطابق جارجیا کے رہنے والے ۲۵/ سالہ ٹیموتھی سیوائے اور ۲۰/ سالہ بکنر سگے بھائی بہن ہیں۔ جن کی اصلیت کا پہلے تو کسی کو پتہ نہیں تھا لیکن ایک دن پولس نے انہیں ایک چرچ کے باہر جنسی تعلق بنائے ہوئے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا پولس ان دونوں کو گرفتار کر کے پولس اسٹیشن لے گئی۔ وہاں جاتے ہی دونوں سے پوچھ تاچھ ہوئی۔ پہلے تو دونوں نے اصلیت بتانے سے انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں اس بات کو مان لیا کہ وہ سگے بھائی بہن ہیں اور ایسا انہوں نے ایک فلم دیکھ کر کیا۔ ان دونوں نے مانا کہ یہ فلم دیکھنے کا ان پر اتنا بُرا اثر ہوا کہ دونوں کے بیچ جنسی جسمانی تعلق بن گیا اور وہ بھی ایک بار نہیں تین بار۔ فی الحال دونوں حراست میں ہیں۔"

یہ ایک مثال ہے ایسے نہ جانے کتنے واقعات رونما ہوتے ہوں گے اور انسانیت شرم شار ہوتی ہوگی۔ چند سالوں پیشتر اسکولوں میں جنسی تعلیم کے لازمی حکم سے نابالغ سگے بھائی بہنوں میں عملی طور پر جسمانی تعلقات کی خبریں آئی تھیں۔

ہم گفتگو کر رہے تھے منشیات سے متعلق۔ نشہ عقلوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور جب پولس والوں اور منشیات فروشوں میں تعلقات ہونے کی خبر سنتے ہیں تو یہ مصرع ذہن کو کودنے لگتا ہے۔ ع:

جس پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

نسل نو میں منشیات کا استعمال جس تیزی سے بڑھ رہا ہے یہ یقینا ہمارے لیے لمحۂ فکریہ سے کم نہیں، محکمہ پولس کی اب تک کی ساری کاروائیاں منشیات کے عادی افراد کے خلاف ہوئی ہیں اور وہ بھی غیر منظم انداز میں، نہ کوئی ٹھوس حکمت عملی اور نہ مناسب اقدام۔ منشیات فروشوں اور عام نشیلی ادویات فراہم کرنے والوں پر نکیل کسنے میں پولس محکمہ بُری طرح ناکام ہے یا جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔ شہر کے مختلف علاقوں پر منشیات فروشوں کا قبضہ ہے، ڈرگس ڈیلروں کا گروپ ہے جو انتہائی منظم طرز پر اپنا کاروبار جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس سلسلے میں محکمہ پولس کے منشیات مخالف دستے کو بھی چوکنا ہونے کی ضرورت ہے اور عوامی بیداری لانے کے لیے مہم چلانا بھی ضروری ہے۔

رہی بات مذہب اسلام کی بنیادی تعلیمات کی وہ اس میدان میں بھی ہمیں رہ نما خطوط فراہم کرتی ہیں، حدیث مبارک "کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ" (ہر نشہ آور چیز حرام ہے) سے مذکورہ نکتے پر خاص روشنی پڑتی ہے، فقہی مسئلہ "طلاق السکران واقع" بھی چشم کشا ثابت ہو سکتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر منشیات مخالف تحریک میں شامل ہوں اور نشہ خوری کے جراثیم سے اپنے معاشرے کو پاک کریں۔ ☆☆☆☆

نشہ آور چیزیں جان لیوا بھی ہو سکتی ہیں۔

محمد عابد چشتی, استاد جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف (اوریا)abid.chishti@rediffmail.com

پوری دنیا میں انفرادی، عائلی اور سماجی ڈھانچہ کو زبردست انداز میں تباہ و برباد کرنے اور صالح معاشرہ کے تانے بانے کو بری طرح منتشر کرنے میں جن چیزوں کی کارفرمائی رہی ہے اور موجودہ وقت میں بھی ہے ان میں نشہ آور اشیا یعنی منشیات کے استعمال کو نمایاں درجہ حاصل ہے، جب ایک فرد منشیات کی لعنت میں گرفتار ہوتا ہے تو پھر اس کے مضر اور تباہی خیز نتائج سے نہ صرف اس شخص کی اپنی نجی زندگی ہلاکت و ناامیدی کی شکار ہو جاتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہی نتائج بعد میں بے شمار سماجی، خاندانی، معاشرتی، ثقافتی، ذہنی، اور طبی مسائل و مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہو جاتے ہیں اور پھر یہیں سے عالمی سطح پر انسانی جانوں کے تلف و ہلاکت کا نا تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے

منشیات یعنی مارفین، کوکائین، ایتھر، ہیروئن، افیون، شراب بھنگ، چرس، تمباکو وغیرہ کا استعمال پوری دنیا میں بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے جس کے وجوہات اور اسباب مختلف ہیں کچھ غم مایوسی، آپسی ناچاقی اور زندگی میں اپنی مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے منشیات کو استعمال کرنے لگتے ہیں تو کچھ امیر زادے محض نشاط طبع، تفریح مزاج، عیش کوشی، یا پھر کالج اور یونیورسٹیز میں اپنی فلمی امیج بنانے کے لیے اس کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ منشیات کا استعمال ملک کی نئی نسل میں عمر دراز لوگوں کی بنسبت زیادہ بڑھ رہا ہے ایک سروے کے مطاق ملک عزیز ہندوستان میں فی الوقت ۷۷ فیصد نشہ کرنے والوں کی عمر ۱۱ سے ۱۸ سال کی ہے اس سروے کے تناظر میں اگر نوجوان نسل یوں ہی نشہ میں مبتلا رہی تو اس کا براہ راست منفی اثر ملک کی مجموعی ترقی اور تعلیمی، تہذیبی، اور ثقافتی میدان میں پڑنے کا خطرہ بڑھے گا اس لیے کہ منشیات کے استعمال کا دائرہ فرد سے ہوتے ہوئے سماج اور معاشرہ تک پھیل جاتا ہے جو لوگ منشیات کا استعمال کرتے ہیں ان میں جسمانی طور پر سینکڑوں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اس کے وجود کو دیمک کی طرح دھیرے دھیرے چاٹ کر آخر کار موت کے بے رحم پنجوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

نشہ آور چیزوں کے نتیجے میں ہونے والی بیماریاں سردی اور زکام کی طرح کوئی چھوٹی یا وقتی نہیں ہوتی ہیں بلکہ شراب، تمباکو، سگریٹ وغیرہ سے اکثر جگر اور کینسر کی بیماری رونما ہوتی ہے جس کی انتہا صرف اور صرف دردناک موت ہے مگر یہ موت اس وقت ہوتی ہے جب نشہ کی لت میں گرفتار شخص ہزاروں معاشی اور سماجی مسائل کو ماحول کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے اس لیے کہ بیماری کی شناخت کے بعد اس کے اہل خانہ اپنی فطری محبت کی وجہ سے علاج و معالجہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور لاکھوں روپیہ پانی کر طرح بہا دیتے ہیں کاروبار ٹھپ ہو جاتا ہے یہاں تک کی نوبت مکان و جائداد بیچنے کی آجاتی ہے اور اس طرح ایک خاندان معاشی طور پر ٹوٹتا چلا جاتا ہے اور پھر معاشیات کی بنیادوں پر ٹکی ساری امیدیں نشہ خور کے ساتھ ساتھ خاک میں مل جاتی ہیں وہیں دوسری طرف مشترکہ خاندانی نظام کا نظم و ضبط تباہ ہو کر رہ جاتا ہے میاں بیوی کے درمیان جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، صنف نازک پر ظلم و تعدی کے واقعات بڑھ جاتے ہیں جسے دیکھ کر گھر کے چھوٹے چھوٹے بچے ڈپریشن، تناؤ و گھٹن کے شکار ہو کر ذہنی طور پر ماؤف اور دیگر بچوں کے بالمقابل کمزور ہو جاتے ہیں نیز جس گھر میں نشہ خور لوگ ہوتے ہیں ان کے گھر جوان بیٹیوں، بہنوں کے نکاح اور رشتہ میں حد درجہ رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر شادی میں تاخیر کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں انہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خاندانی اور انفرادی نقصانات کے ساتھ ساتھ منشیات کے استعمال کی وجہ سے جرائم اور جرائم پیشہ افراد کا گراف بھی بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے اسمگلنگ، چوری، ڈکیتی، بچوں کی خرید و فروخت، کڈنی سپلائی یہ وہ جرائم ہیں جن کے پس پردہ ان لوگوں کی اکثریت ہے جو کسی نہ کسی نشہ میں مبتلا ہیں جب وقت پر انہیں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی ہے جس سے وہ اپنی طلب مٹا سکیں تو پھر ان کے سامنے یہی ایک متبادل ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کی کامیابی سے کئی دن تک وہ اپنی لذت کا سامان جمع کر سکتے ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو کا مطلب صرف یہ بتانا ہے کہ منشیات کے استعمال سے پوری دنیا کی تباہی اور بڑے پیمانے پر انسانی جانوں کی بربادی کے ساتھ ساتھ لاتعداد معاشرتی اور تہذیبی مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں اس لیے اس پر قدغن لگانا پوری انسانیت کو بچانے کے مترادف ہے

کہا جاتا ہے کہ "مسائل جس قدر اہم اور قابل اصلاح ہوں اسی قدر یا اس سے کچھ زائد ہی اصلاحی اقدامات ہونے چاہیے"، مگر یہاں تو معاملہ

بالکل برعکس ہے کہ مسائل کی سنگینی جب اپنے نقطۂ کمال کو پہنچتی ہے اس وقت صرف سال کا کوئی ایک دن اس کی مذمت کے لیے خاص کر دیا جاتا ہے۔ نتیجے کے طور پر مسائل اور برائیوں کے خلاف ہماری ساری توجہات ، جذبات، اور کوششیں اس ایک دن کی ہنگامی میٹنگ ،جلسے اور پمفلیٹ کی طباعتوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور بجائے سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر سنجیدہ اقدامات یا پھر سماج کو برائیوں سے پاک کرنے کے لیے کسی پختہ عزم کے یہ دن بھی اب محض تفریح طبع اور موج مستی میں تبدیل ہوتے جا رہے ہیں جس میں ہر عمر اور طبقہ کے لوگ وقتی خوشی کے لیے شرکت کر لیتے ہیں یہی حال منشیات کے خلاف مہم کا بھی ہوا کہ ۲۶ جون کو ہر سال ,, یوم انسداد منشیات ،، منا کر اس کے دائمی حل کی کوشش کی گئی جو نتیجہ کے اعتبار سے بے سود ثابت ہوئی جبکہ خود ان مخصوص ایام کو منانے میں مفکرین کئی طرح کے شبہات کا اظہار بھی کرتے ہیں یہ ایک الگ ہے ، ہاں اگر منشیات سے سماج کو پاک کرنا ہے تو سب سے پہلے منشیات کی سپلائی اور فراہمی پر ٹھوس پہرے بٹھائے جائیں اور اس کا راستہ بند کیا جایے یہ کام اول سے آخر تک حکومتی سطح کی تنظیموں اور اس کام کے لیے خاص محکموں کا ہے۔ عقل وادراک سے یہ بات ماوراہے کہ ایک طرف حکومت منشیات کی روک تھام کے سلسلہ میں سنجیدگی دکھائے اور دوسری طرف منشیات کی سپلائی اتنی آسانی سے ہو جائے کہ ہر جگہ دستیاب ہو اور حکومتی محکمے اس عمل اور اس کے انسان دشمن عملے سے انجان ونابلد اپنے آفس میں کرسیاں توڑتے رہیں، خاص طور سے شراب پر قدغن لگانے کی ضرورت ہے یہ چیز کم دام میں باآسانی دستیاب ہونے کی وجہ سے بڑی تیزی سے سماج کو اپنی چپیٹ میں لے رہی ہے اور نئے نئے لڑکے اور لڑکیاں شراب نوشی میں ملوث ہو کر اپنا اور ملک کا مستقبل تباہی کی طرف ڈھکیل رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں شراب کے ٹھیکے کھلے عام دعوت عیش ونشاط دے رہے ہیں اور حکومت کی سرپرستی میں چل رہے ہیں پھر بھی منشیات کے خلاف حکومت کی سنجیدگی ہماری ناقص فہم سے باہر ہے جب کہ آئے دن شراب کی وجہ سے اجتماعی اموات کے واقعات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں۔ سچ بتاؤں تو تمباکو شراب اور دیگر منشیات کی روک تھام کا مسئلہ ہو یا پھر اس کو فروغ دینے کا دونوں سطح پر حکومت کی کارگردگی اتنی مبہم ہے کہ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ حکومت آخر کیا چاہتی ہے ؟ جبکہ معاملہ صرف اور صرف ,, ہاں ،، یا ,, نا ،، کا ہے اگر بالکلیہ سماج کو ان چیزوں سے چھٹکا دلانا مقصود ہے تو پھر یہ کام محض ایک دو سال کے اندر ہو سکتا ہے سپلائی بند، کارخانے بند تو سب بند اور اگر اسے فروغ دینا ہے تو یہ, ایام ،، کا دکھاوا کیوں اور سگریٹ گٹکھا یا دیگر نشہ آور چیزوں کے پیکٹس پر یہ طبی وعید کہ ,, تمباکو صحت کے لیے نقصان دہ ہے ،، وغیرہ لازمی قرار دینے کا کیا مطلب ؟؟ حکومت کو چاہیے کہ پہلے اپنا موقف واضح کرے ہاں اتنا ضرور ہے کہ منشیات کی اعلی قسم کی غیر سرکاری فراہمی کے خلاف ضرو حکومتی ادارے مثلا اینٹی ناکوٹکس فورس وغیرہ مستعد ہیں مگر یہ مستعدی ہر جہت سے ہونا ضروری ہے

اسی طرح منشیات کی روک تھام کے لیے عام لوگوں میں ان کے خطرات اور مضر اثرات اور تباہی خیز نتائج سے باخبر کرنا بھی ضروری اور اچھا طریقہ ے یہ کام غیر سرکاری اور فلاحی تنظیموں کا ہے کہ وہ لوگوں میں جدید ذرائع اور ٹکنالجی کے استعمال سے منشیات کے خلاف لوگوں میں خوف اور تنفر پیدا کریں۔

شراب نوشی وغیرہ تو انتہائی قدیم ہیں مگر عصر جدید نے اس کی درجنوں قسموں کو رواج دیا ہے

حافظ محمد خلیل مصباحی چشتی، مبارک پور، اعظم گڑھ

منشیات کا استعمال اس وقت ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگ اس میں مبتلا ہیں، مگر زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ قوم مسلم جو کہ خیر امت ہے، اس قوم کے بھی کثیر افراد منشیات کے عادی بنتے جارہے ہیں۔ منشیات کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں کچھ تو وہ ہیں جو زمانہ قدیم سے رائج ہیں اور کچھ نئے زمانے کی پیداوار ہیں، ان میں سر فہرست شراب ہے، جو کہ زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کی روک تھام کیسے ہو؟ تو اس کا جواب دو طرح کا ہوگا، ایک صرف قوم مسلم کے لیے اور دوسرا عامۃ الناس کے لیے۔ پہلے قوم مسلم کے تعلق سے ہی بات کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی بھی تجویز و تدبیر قرآنی طریقے سے بہتر نہیں ہو سکتی، بس ضرورت ہے اس پر عمل کرنے کرانے کی، چوں کہ ہمیں قوت نافذہ حاصل نہیں ہے اس لیے ہم کوئی شرعی قانون نافذ نہیں کر سکتے، جہاں شرعی قانون نافذ ہے مثلاً سعودی عرب، وہاں بھی چوری چھپے

شراب کا استعمال جاری ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ قانون کے نفاذ سے بھی مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ تو صرف تعلیم و ترغیب ہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا جاسکتا ہے۔ تعلیم و ترغیب کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کا خوف ہونے پر ہی کوئی مسلمان مکمل طور سے گناہوں سے باز آتا ہے، ورنہ جب تک لوگوں کی نگاہ میں ہوتا ہے گناہ نہیں کرتا، موقع ملنے پر گناہ کرلیتا ہے۔

عرب ہو یا عجم ہر جگہ مذہبی و دینی تعلیم سے لاتعلقی عام ہے۔ عوام کی اکثریت بس موروثی طور پر جمعہ و عیدین، پیدائش، شادی اور موت کے وقت تجہیز و تکفین کے اسلامی رواج تک محدود ہوگئی ہے، باقی زندگی اور معاملات میں شرعی طریقہ کیا ہے، کیا حرام ہے، کیا حلال، اسے جاننے کی خواہش و کوشش نہیں ہے۔ علما کی طرف سے بتانے پر بھی عمل کی طرف رغبت نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ شرعی حدود کی کوئی پرواہ نہیں ہے، ایسے حال میں سب سے پہلے قرآن کا یہ سبق...

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ.(البقرۃ ۲۰۸، پ:۲، رکوع:۹)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم پر نہ چلو۔

پڑھانے کی ضرورت ہے، پھر دیگر تجویز و تدبیر پر عمل کیا جائے۔ مثلاً یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی مریض ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جاتا ہے تو حکیم اور ڈاکٹر کی طرف سے تلخ و ترش دوائیں دی جاتی ہیں، اور مریض کی پسندیدہ شے جس کا وہ عادی ہوتا ہے، سے اجتناب و پرہیز کرایا جاتا ہے، تو مریض اس پر عمل کرتا ہے۔ کیا مریض حکیم و ڈاکٹر کے خوف سے ایسا کرتا ہے؟ نہیں بلکہ مریض اپنے جسم و جان کی محبت اور صحت و تندرستی کی چاہ میں تلخ و ترش دوا کا گھونٹ پیتا ہے اور اپنی پسندیدہ شے ترک کر دیتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض کہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب یہ چیز میں یک بہ یک نہیں چھوڑ پاؤں گا، تو معالج ایسے شخص کو پہلے مقدار کم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لہٰذا مقدار کم کرتے کرتے مریض نقصان دہ شے کو بالکل ترک کر دیتا ہے، یعنی نقصان دہ شے کو چھڑانے کا عمل بتدریج قسطوں میں پورا ہوتا ہے۔ تو یہ وہی طریقہ ہے جو شراب چھڑانے کے لیے قرآن میں نازل ہوا۔ سب سے پہلے مختصراً شراب کے نقصان و گناہ سے آگاہ کیا۔

جب شراب کے لیے حرمتِ قطعی کا نزول ہوا اس وقت مسلمان اس طرح پورے طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے کہ ان کی طبیعتیں شریعت کی تابع ہو چکی تھیں اور جب مدینہ شریف میں شراب کے حرام ہونے کی منادی کرائی گئی تو جو لوگ گھروں کے اندر بیٹھ کر شراب پی رہے تھے فوراً شراب پینے سے رک گئے، جو جام لبوں تک پہنچ چکے تھے وہ لبوں سے جدا ہوگئے، یہاں تک کہ جو شراب حلق سے نیچے اتر چکی تھی اسے بھی حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی گئی، جو شراب برتنوں میں موجود تھی وہ نالیوں میں بہادی گئی، شراب کے برتن توڑ ڈالے گئے، یہ ایسا کرنے والے وہی لوگ تھے جن کی زندگی میں شراب ایسی رچی بسی تھی کہ ان کی ہر دعوت و تقریب میں شراب کا ہونا ضروری ہوتا تھا، بغیر شراب کے جنھیں زندگی بے کیف معلوم ہوتی تھی، مگر شراب کی حرمتِ قطعی کا حکم نازل ہونے پر انھیں لوگوں کے عمل سے ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ پورے طور پر اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، ان کی طبیعتیں شریعت کی تابع ہو چکی ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی شرعی خلاف ورزی ہو جاتی اور اس گناہ پر کوئی مطلع نہ ہوتا تب بھی اپنے ضمیر، اپنی طبیعت کی آواز پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اقرار کر کے اپنی جان پر شریعت کے تعزیری احکام نافذ کرا لیتے تھے، ایسی کئی مثالیں اسلامی تاریخ میں موجود ہیں۔

شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے، پرہیز کرنے کی ایسی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ پڑھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے۔ آج کے مسلمان ان لوگوں کے احتیاط و اجتناب کو سویں حصے پر بھی عمل پیرا ہو جائیں تو زندگی کامیاب ہو جائے اور منشیات سے پیدا شدہ مسائل کا تدارک ہو جائے، مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کنویں میں گر جائے پھر اس جگہ منارہ بنایا جائے تو میں اس پر اذان نہ کہوں اور اگر دریا میں شراب کا قطرہ پڑے پھر دریا خشک ہو اور وہاں گھاس پیدا ہو اس میں اپنے جانوروں کو نہ چراؤں۔ سبحان اللہ گناہ سے کس قدر نفرت ہے۔

شراب ۳ھ میں غزوۂ احزاب سے چند روز بعد حرام کی گئی، اس سے قبل یہ بتایا گیا تھا کہ جوئے شراب کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے، نفع تو یہی ہے کہ شراب سے کچھ سرور پیدا ہوتا ہے، یا اس کی خرید و فروخت سے تجارتی فائدہ، مگر ان میں جو گناہ ہے وہ ان فائدوں سے بہت زیادہ ہے، ظاہری طور پر بھی نقصانات ہیں، اس پر غور کرنے سے کوئی بھی ہوش مند شراب سے دور ہی رہے گا، مثلاً عقل، غیرت اور حمیت کا زوال، عبادات سے محرومی، لوگوں سے عداوتیں، سب کی نظر میں خوار ہونا، دولت و مال کا ضیاع، جس کی وجہ سے گھریلو زندگی میں اضطراب اور بے چینی۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل امین نے سید عالم ﷺ کے حضور میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کو جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی چار خصلتیں پسند ہیں، حضور نے حضرت جعفر سے دریافت فرمایا: انھوں نے عرض کیا کہ ایک تو یہ ہے کہ میں نے شراب کبھی نہیں پی، یعنی حکم حرمت سے پہلے بھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ اس سے عقل زائل ہوتی ہے اور میں چاہتا تھا کہ عقل اور بھی تیز ہو۔ دوسری خصلت یہ کہ زمانہ جاہلیت میں بھی میں نے کبھی بت کی پوجا نہیں کی، کیوں کہ میں جانتا تھا کہ یہ پتھر ہے، نہ نفع دے سکے نہ ضرر۔ تیسری خصلت یہ ہے کہ کبھی میں زنا میں مبتلا نہ ہوا کہ اس کی بے غیرتی سمجھتا تھا، چوتھی خصلت یہ ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کیوں میں اس کو کمینہ پن خیال کرتا تھا۔ (خزائن العرفان)

آج کل شاہ راہوں پر گاڑیوں کا تصادم ایک عام بات ہے، اگر ایکسیڈنٹ کی کثرت کی وجہ کا پتہ لگائیں تو اکثر و بیش تر تین وجہوں کا پتہ چلتا ہے، گاڑی چلاتے ہوئے ڈرائیور کا موبائل پر بات میں مشغول ہونا، نیند کا غلبہ ہونا یا شراب کے نشے میں مدہوش ہونا۔ گویا کہ منشیات کا عادی شرابی شخص خود اپنے لیے ہی نہیں دوسرے بہت سے لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے، جس کی وجہ سے کئی کئی گھنٹے تک ٹریفک جام ہوتا ہے، اس طرح ایسا شخص اجتماعی زندگی میں بھی حارج ہوتا ہے یعنی شراب نوشی کے فاسد اثرات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ان کو گننا بھی ایک دشوار کام ہے۔

کسی ممنوعہ چیز کو ترک کرنے اور چھوڑنے کے طریقے سے متعلق ایک واقعہ میری خود کی زندگی سے ہے، بیان کرنا فائدہ مند ہوگا۔ میں بیڑی سگریٹ پینے کا عادی تھا، بیمار پڑنے پر ڈاکٹر کے پاس گیا، ڈاکٹر نے بیڑی سگریٹ چھوڑنے کے لیے کہا، میں نے فوراً جیب میں پڑا بیڑی کا بنڈل نکالا اور توڑ کر پھینکنا چاہا، ڈاکٹر نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ایسے نہیں چھوڑ پائیں گے، ابھی توڑ کر پھینک دیں گے، خواہش ہونے پر پھر خرید لیں گے، لہٰذا بیڑی جیب میں رکھیں اور بیڑی کی طلب ہونے پر خواہش و طلب کو ماریں، اپنی قوت ارادی کو مضبوط بنائیں کہ اس نقصان دہ چیز کو استعمال نہیں کروں گا۔ اس طرح جیب کی بیڑی جیب میں پڑی رہے اور بیڑی کا پینا مکمل طور پر چھوٹ جائے، میں نے اس طریقے پر عمل کیا، الحمد للہ تب سے اب تک بیڑی سگریٹ حقہ کو استعمال نہیں کیا اور حال یہ ہے کہ اگر ان کا دھواں قریب سے گزرتا ہے تو طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔

مسلمانوں میں منشیات کے عادی اکثر و بیشتر جاہل ان پڑھ افراد ملیں گے جو علی الاعلان شراب خوری کرتے ہیں، کسی سے چھپتے نہیں، لیکن انھیں سے اگر خنزیر کا گوشت کھانے کو کوئی کہے تو جنگ پر آمادہ ہو جائیں گے شاذ و نادر ہی کوئی اس کا مرتکب پایا جائے گا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لا علمی کی وجہ سے یہ لوگ شراب کی حرمت کو خفیف اور خنزیر کی حرمت کو شدید سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات اتارنی ہوگی کہ خنزیر و شراب کی حرمت برابر ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں، اس ضمن میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے، انگریزی دورِ حکومت میں شہر بنگلور میں مسلم محلے کے قریب خنزیر کے گوشت کی دوکان کا لائسنس حکومت نے جاری کیا تو وہاں کے مسلمانوں نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا، اس وقت انگریز جج نے مسلمانوں سے سوال کیا تھا کہ مسلمانوں کے محلے میں سالہا سال سے شراب کی دوکان چل رہی ہے، اس کے خلاف کبھی تم نے احتجاج نہیں کیا، بلکہ مسلمان بھی شراب پیتے ہیں، اس کی آخر کیا وجہ ہے، جب کہ مذہبِ اسلام میں خنزیر و شراب کی حرمت برابر ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں؟ جج کے اس سوال پر مسلمانوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

تجویز و تدبیر کے تحت یہ کرنا ہوگا کہ مسلم عوام کے نشہ خوار افراد کے لیے دینی شرعی تعلیم، حرام و حلال سے آگاہ کرنا، ان کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کرنے کی تدبیر مذکورہ بالا قرآنی طریقے کے مطابق نشہ ترک کرانے کی تدبیر اور عامۃ الناس بشمول مسلم کو منشیات کے استعمال کے نتائج و وبال، نقصانات اور تباہ کاریوں کو بتانا ہوگا، مگر یہ باتیں کہنے لکھنے میں جتنی آسان ہیں ان پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل، کیوں کہ ان تدابیر کو بروئے کار لانے کے لیے تنظیم و تحریک کی ضرورت ہوگی منظم اور موثر طریقے سے مسلسل پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ منشیات کے خلاف تشہیر کی ضرورت ہوگی۔ منشیات کے نتائج و وبال کو میڈیا ہی کے ذریعہ عام کرنا ہوگا۔ سب سے اہم اور آخری بات یہ ہے کہ اس کام کا بیڑا اٹھانے والے افراد کے دلوں میں خلوص اور خدمت خلق کا جذبہ ہونا لازمی ہوگا۔ ایسے افراد میسر ہونے پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ منشیات کے عادی افراد تک فرداً فرداً پہنچ کر ان کی اصلاح کی جائے، اس کام کے لیے افرادی قوت کے ساتھ مالی قوت بھی درکار ہوگی، بہر حال جس سماج اور معاشرے میں گاؤں گاؤں شہروں کے محلے محلے، لائسنس یافتہ شراب کی دوکانیں ہوں، جگہ جگہ پولیس یا رشوت کی بنیاد پر چلنے والے منشیات کے اڈے ہوں، ایسے ماحول میں مقصد کا حصول ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ☆

تحریر- کیا، کیوں اور کیسے؟

محمد آصف اقبال

ذخیرۂ معلومات، وسیع مطالعہ، خزانۂ الفاظ، بار بار لکھنے کی مشق، انشا پردازی، املا کی درستی

ہر وہ شخص جس کی عقل میں سلامتی اور طبیعت میں نفاست ہو وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ انسان اپنے پروردگار عزوجل کی سب سے اعلیٰ اور بہترین تخلیق ہے۔ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ کا لباس اسے پہنایا گیا، اسے عقل کے نور سے منور کیا گیا اور اس کی فطرت میں جمال سے محبت رکھی گئی ہے اور اس لیے بھی کہ ان اللہ جمیل یحب الجمال ۔یوں ہی اہل ایمان پر اولین فرض نماز کو دیکھ لیجیے کہ اس کی ادائیگی کے وقت خوبصورتی یعنی زینت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔پھر جب بات خوبصورتی کی ہو تو اس میں ہر قسم کی خوبصورتی شامل ہے، انسان کی، آسمان کی، کہکشاں کی، بل کھاتے ندی نالوں کی، آبشاروں کی، پہاڑوں کی، پھولوں کی، پھلوں کی، درختوں کی، پرندوں کی، خیالوں کی اور سوچوں کی۔ حتی کہ اگر ان خیالات وافکار کو جو الفاظ کا نفیس و پرکشش جامہ پہنادیں ان کی خوب صورتی بھی سلیم العقل و سلیم الطبع شخص کے دل و نظر کو بھاتی ہے اور اگر الفاظ کا چناؤ غیر معیاری اور بے محل ہو تو یہی خوبصورت خیالات وافکار وحشت واجنبیت کو جنم دیتے ہیں۔

سچی بات ہے کہ اگر کسی موضوع کے متعلق انسانی خیالات کو آسان لفظوں، سلیس جملوں، برمحل محاورات اور مثالوں پر مشتمل پر مغز اور مربوط مضمون کی صورت میں زینت قرطاس کیا جائے تو ایسی تحریر نہ صرف آنکھوں کو بھاتی ہے بلکہ قلب وذہن کو بھی سکون فراہم کرتی ہے، اس کے برعکس بھاری بھر کم الفاظ، مشکل جملے اور ناشائستہ طرز تحریر اضطراب کا سبب بن جاتا ہے۔راقم اس مضمون میں "تحریر" کو خوبصورت بنانے کے لیے بعض بنیادی باتوں، ضروری طریقوں، انشا کے بعض قاعدوں اور املا کی درست سمتوں کو بیان کرنے کی کوشش کرے گا۔راقم ابھی خود مبتدی ہے اور سیکھنے کے مراحل سے گزر رہا ہے، لہٰذا غلطیوں کا راہ پاجانا بعید از امکان نہیں۔اہل علم وفن سے نگاہ لطف کا امیدوار بن کر التجا کرتا ہوں کہ جہاں کوئی غلطی پائیں ضرور مطلع فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہی درستی کی توفیق دینے والا ہے۔

تحریر کے لیے بنیادی چیزیں: ترجمہ ہو یا تصنیف و تالیف، مضمون ہو یا کالم ان میں سے ہر تحریر کو پرکشش، موثر، جاذب قلب ونظر اور قابل عمل بنانے کے لیے بنیادی ولازمی چیزیں یہ ہیں:

(۱)ذخیرۂ معلومات (۲)وسیع مطالعہ
(۳)خزانہ الفاظ (۴)بار بار لکھنے کی مشق
(۵)انشا پردازی (۶)املا کی درستی
(۷)محاورات کا استعمال (۸)ضرب الامثال کی درستی
(۹)مشاہدہ وتجربہ (۱۰)تحریر کا تنقیدی جائزہ۔

ذخیرۂ معلومات: لکھنے والوں کے پاس معلومات کا خاطر خواہ ذخیرہ ہونا ضروری ہے اور یہاں اس سے مراد ہر طرح کی معلومات ہیں خواہ وہ علم کے درجے میں ہوں یا علم سے خارج ہوں۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علم اور معلومات میں فرق ہوتا ہے۔ہم تک پہنچنے یا ہمیں حاصل ہونے والی ہر خبر، اطلاع اور آگاہی اولاً معلومات کے زمرے میں آتی ہے اور جس خبر اور آگاہی کی تصدیق ہوجائے یا وہ یقین کے دائرے میں آجائے تو اسے علم کہتے ہیں۔علم کو انگریزی میں نالج اور معلومات کو انفارمیشن کہتے ہیں۔دورِ حاضر میں معلومات کے حصول کی دوڑ لگی ہوئی ہے ۔ اس کی واضح مثال الیکٹرانک میڈیا کی بریکنگ نیوز ہیں، ایک دوسرے کو شکست دینے یا سبقت لے جانے کا جذبہ بعض اوقات غیر مصدقہ اور جھوٹی خبر پھیلانے کا سبب بن جاتا ہے۔افواہ بھی معلومات ہی کی ایک قسم ہے، البتہ افواہ کا کوئی نہ کوئی ماخذ اور بنیاد ضرور ہوا کرتی ہے لہذا سلگتے ہوئے موضوعات پر لکھنے کے لیے ذریعہ معلومات کا درست ہونا نہایت ضروری ہے۔خلاصہ یہ کہ مضمون نگار کے پاس ہر دو قسم کی معلومات کا ذخیرہ ہونا ناگزیر ہے تاکہ صحیح وغلط اور حق وباطل اس کے پیش نظر رہے اور اس کا قلم لغزش وخطا اور ظلم وجفا سے محفوظ رہے۔

وسیع مطالعہ: تحریر کو مضبوط سے مضبوط تر اور قابل اعتماد اور لائق

استناد بنانے میں بنیادی کردار وسیع مطالعے کا ہے۔ظاہر ہے جب انسان مطالعے کا خوگر نہیں ہو گا تو اس کا علم جمود اور تعطل کا شکار ہو جائے گا اور ایسا شخص اپنی تحریر کو کبھی بھی جاندار نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اس کی تحریر میں تنوع آسکتا ہے۔ہم جب تاریخ اسلام کے نامور مصنفین کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو ان سب میں ایک چیز مشترک نظر آتی ہے اور وہ ہے وسیع مطالعہ۔امام غزالی ہوں یا علامہ ابن جوزی،امام سیوطی ہوں یا علامہ شعرانی، اعلیٰ حضرت ہوں یا مفتی احمد یار خان نعیمی ہر ایک نے مطالعے کو اپنی غذا بنایا اور اپنے مطالعہ کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے گئے اور پھر ان بکھرے ہوئے علم کے موتیوں کو اپنی تصانیف کی ڈوریوں میں پرو کر یکجا کر دیا اور مطالعہ سے حاصل ہونے والے فوائد و مسائل اس تحقیق و تدقیق اور دلکش انداز میں پیش کیے کہ ان کے اس طرز تحریر اور عمدہ اسلوب کو دیکھ کر عقلیں دنگ رہ گئیں اور دوسری طرف ہم ہیں کہ لکھنے کا شوق تو رکھتے ہیں مگر مطالعہ کا ذوق نہ ہونے کے برابر ہے یا پھر مطالعہ کے طریقہ کار سے ناواقف ہیں۔کتابوں کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے مستند کالم نگاروں اور قابل اعتماد قلم کاروں کی تحریریں بھی پڑھتے رہنا چاہیے۔اس سے جہاں علم و معلومات حاصل ہوں گی وہیں تحریر لکھنے کا انداز اور طریقہ بھی پتہ چلے گا بشرطیکہ ہم دورانِ مطالعہ اس بات پر غور کرتے جائیں کہ قلم کار نے اپنے خیالات وافکار اور حالات حاضرہ کا اظہار کن اسالیب میں کیا ہے اور الفاظ اور جملوں کو کن سانچوں میں ڈھالا ہے۔

خزانۂ الفاظ: وحشی درندوں میں پھنسے شخص یا سرحد پر موجود فوجی کے پاس بندوق تو ہو مگر گولیاں نہ ہوں یا کم ہوں تو وہ جس مصیبت کا شکار ہو سکتا ہے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔یہی صورت حال ایک لکھنے والے کو بھی پیش آتی ہے کہ اس کے پاس قلم ،دوات، کاغذ تو ہو مگر الفاظ کا خزانہ نہ ہو یا کم ہو تو وہ بھی اس مخمصے کا شکار ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر یا کسی واقعہ کو کس طرح تعبیر کرے اور کون سے الفاظ لکھے ؟خزانہ الفاظ کے لحاظ سے ایک شے ”مترادفات “ بھی ہے۔یہ مترادف کی جمع ہے جس کا معنی ہے ”ہم ردیف “یعنی دو ایسے لفظ جن کے معنی ایک ہی ہوں یا یوں کہہ لیجیے: ایک جیسا مفہوم ومعنی ادا کرنے والے مختلف الفاظ کو مترادفات کہتے ہیں جیسے نصرت و مدد،مشکور وممنون، متداول و مروج وغیرہ۔کسی ایک فعل یا کیفیت کو اگر چند بار بیان کرنا پڑے اور ایک ہی لفظ سے اسے بار بار تعبیر کیا جائے تو عبارت گنجلک وثقیل اور جھول دار ہو کر نفیس طبع پر گراں گزرتی ہے۔لہٰذا لکھنے والے کے پاس مترادف الفاظ کا عظیم خزانہ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ ایک بات کو جداگانہ انداز اور کئی کئی الفاظ کے ساتھ تعبیر کر سکے اور تحریر خوب سے خوب تر کا سفر آسانی کے ساتھ طے کر سکے۔الفاظ کا خزانہ جہاں دیگر ذرائع جیسے مطالعہ و باہمی گفتگو سے حاصل ہوتا ہے وہیں اس کا ایک عظیم ذریعہ ”لغات “بھی ہیں۔انسان چاہے جتنا بڑا قلم کار بن جائے اسے لغت کی حاجت ضرور رہتی ہے لہٰذا وقتاً فوقتاً لغات کو بھی دیکھتے رہنا چاہیے۔کسی نے شیکسپیئر سے پوچھا تھا کہ تم اتنے بڑے رائٹر کیسے بنے اور الفاظ کا اتنا بڑا ذخیرہ کس طرح حاصل ہوا تو اس نے جواب دیا:” میں لغت سے روزانہ صرف ایک لفظ یاد کرتا تھا،اس طرح مجھے سال میں ۳۶۵ ؍ الفاظ یاد ہو جاتے تھے۔“غور فرمائیے کہ یہ طریقہ اپنا کر کتنی آسانی سے الفاظ کا ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے مگر یہ طریقہ بے حد صبر آزما ہے۔

بار بار لکھنے کی مشق: آپ نے ”شارٹ کٹ“ (SHORTCUT) کا لفظ نہ صرف سنا ہو گا بلکہ بارہا اس کا مشاہدہ اور کبھی تجربہ بھی کیا ہو گا۔شارٹ کٹ کبھی تو مفید ہوتا ہے اور کبھی نقصان دہ اور اسے مفید اسی وقت کہا جائے گا جب وہ علم وعقل اور دین کی خلاف ورزی سے بچتے ہوئے اختیار کیا جائے۔فائدے سے قطع نظر شارٹ کٹ کے نقصانات بہر حال زیادہ ہیں۔جیسے کوئی پڑھائی سے جی چرانے والا ”شارٹ کٹ“ اختیار کرے اور انجینئرنگ کی جعلی ڈگری لے کر کسی ادارے میں ”فِٹ“ ہو جائے تو پھر ایسے پل ،عمارتیں اور سڑکیں بناتا ہے کہ چند ہی سالوں میں یہ چیزیں کھنڈرات کا منظر پیش کرتی ہیں یا جیسے کوئی شخص یوٹرن تک جانے کے بجائے شارٹ کٹ اختیار کرتے ہوئے فٹ پاتھ کے اوپر سے اپنی موٹر سائیکل پار کرنے والا بعض اوقات حادثے کا شکار ہو جاتا ہے۔الغرض شارٹ کٹ میں فائدہ کم، خسارہ زیادہ ہے۔دورِ حاضر میں تحریر بھی اس” شارٹ کٹ“ کے پنجوں کی اسیر بنی دکھائی دیتی ہے کیونکہ آج جسے دو لفظ لکھنے آ گئے یا مطبوعہ کتب سے چوری کے ”فن“میں مہارت حاصل کر لی وہ بزعم خود” مایہ ناز قلم کار “بنا پھرتا ہے اور خود کو قلم کے میدان کا شہسوار سمجھتا ہے۔تحریر کا قبلہ درست ہو یا غلط” شارٹ کٹ رائٹر “کو اس سے کوئی سروکار نہیں ، وہ بلا کم و کاست کاغذات کے روشن دن کو سیاہی کے اندھیرے کا لباس پہناتا رہتا ہے،لہٰذا اس میدان کے نوواردوں پر بار بار لکھنے کی مشق کرنا لازم ہے۔ہر فن میں خوبصورتی اور نکھار لانے

کے لیے اپنے اندر محنت ومشقت کا جذبہ، بے پناہ صبر، عزم جواں، حصول کامیابی کی سچی لگن پیدا کرنا ضروری ہے لہٰذا فن تحریر میں کمال پیدا کرنے کے لیے جس مشق کی حاجت ہے اس کے لیے ان عناصر اربعہ کا پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ ٹھیک ہے اردو زبان ہماری مادری یا قومی زبان ہے مگر بقول داغ دہلوی ”آتی ہے اردو زباں آتے آتے۔“ بار بار لکھیے اور لکھتے رہیے ، جاننے والوں کو دکھائیے اور ان کی اصلاح، تنقید اور مشوروں کو قبول کیجیے پھر دیکھیے وہ وقت دور نہیں جب آپ کی تحریر بھی تاریخ میں ایک سنہرا باب قائم کریں گی۔ نیز نئے قلم کاروں کو اس بات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے کہ اس کی تحریر اعتراضات کے شکنجے میں آسکتی ہے، اس پر سوالات اٹھ سکتے ہیں اور اسے یک لخت رد کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کی صورت حال میں اصلاح قبول کرنے کا جذبہ رہنمائی بھی کرے گا اور تنقید کو شاہراہ کامیابی میں آنے والی رکاوٹوں کو ہٹانے والا آلہ اور ہتھیار سمجھنے سے حوصلہ بھی ملے گا۔

انشا پردازی کیا ہے؟ جب بھی تحریر کی بات آتی ہے تو ساتھ ہی یہ لفظ ”انشا پردازی“ بھی سننے کو ملتا ہے۔ تحریر کا شوق رکھنے والے مبتدی افراد کی ایک تعداد اس لفظ سے مرعوب نظر آتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فن تحریر میں یہ کسی ”بلا“ یا ” شتر بے مہار“ کا نام ہے جو ہر کسی کے قابو میں نہیں آتے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہر وہ شخص جو قلم پکڑنا جانتا ہے اور دو لفظ لکھ سکتا ہے وہ مسلسل مشق اور محنت وکوشش سے ایک اچھا اور ماہر ” انشا پرداز“ بن سکتا ہے۔ آئیے اس لفظ کے معنی ومفہوم پر غور کرتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہم جسے شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں وہ ممنوع نہیں بلکہ ” مباح“ ہے۔

انشا کا لغوی معنی عبارت لکھنا اور بات پیدا کرنا یا تحریر اور عبارت ہے جب کہ انشا پردازی کا معنی ہے عبارت نویسی، مضمون نگاری، عبارات آرائی، خط یا عبارت لکھنے کا ڈھنگ، مضمون لکھنے کا طریقہ۔ (فیروز اللغات)

اصطلاح میں ”نثر یا نظم میں تحریری یا تقریری طور پر دل سے کوئی نئی بات یا مضمون پیدا کرنے“ کو انشا پردازی کہتے ہیں۔

(اردو لغت، ج۱، حصہ ۲، ص ۹۵۲،)

بعض نے یہ تعریف کی ہے: ”ادبا کے نزدیک انشا وہ فن ہے جس کے ذریعے معانی ومضامین کو ذہن میں جمع ومرتب کر کے ان کو بلیغ ادبی عبارتوں میں پیش کیا جائے۔“ (القاموس الوحید، ص ۱۶۴۵)

اگرچہ انشا پردازی کی اصطلاحی تعریفات اپنے ظاہری الفاظ سے ہم پر اپنا رعب جھاڑ رہی ہیں مگر جب ہم ان کے خلاصہ پر غور کریں گے تو یہ سارا رعب ”ہوا“ ہو جائے گا اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ” اپنے ذہن کی **بات یا خیال کو ایک ترتیب کے ساتھ خوبصورت اور آسان جملوں میں اس طرح لکھنا کہ پڑھنے والا سمجھ جائے۔“** یہی حقیقت میں انشا پردازی ہے اور یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ انشا پردازی کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ جب تک ہماری تحریر میں مشکل الفاظ کی کثرت، غیر معروف مرکبات کی بھرمار اور بھاری بھرکم جملے نہ ہوں تب تک ہم انشا پرداز نہیں بن سکتے۔ غور کیجئے! ہم سارا دن اپنے خیالات وافکار ایک دوسرے سے شیئر (SHARE) کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے بھی تو جملوں ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ تحریر میں بھی یہی کچھ تو کرنا ہوتا ہے بس اتنا فرق ہے کہ گفتگو میں فعل، فاعل اور مفعول کی ترتیب کا کچھ خاص خیال نہیں رکھا جاتا جب کہ تحریر میں اس کی رعایت رکھنی پڑتی ہے اور آپ کو صرف یہ ترتیب ذہن نشین کرنی ہے۔

انشا پردازی کے لوازمات: یہاں بعض ایسی باتیں بیان کی جائیں گی جن پر عمل کر کے ہم اپنی تحریر کو خوبصورت اور عمدہ بنا سکتے ہیں اور تحریر کی خوبصورتی اور عمدگی ہی کو انشا پردازی کا نام دیا جاتا ہے۔

(۱) مضمون، کالم یا تصنیف لکھنے سے پہلے متعلقہ موضوع کے تمام اہم پہلوؤں کا ایک خاکہ بنالیا جائے کہ اس کی تمہید کیا ہو، کون کون سی باتیں اور تفصیلات لکھی جائیں، کس ترتیب سے لکھی جائیں اور کتنے حصوں میں لکھی جائیں وغیرہ۔

(۲) اپنی بات کا اظہار آسان، پر اثر اور ایسی زبان کے ساتھ ہونا چاہیے جو سادہ، سلیس اور عام فہم ہو۔ مندرجات میں الجھاؤ یا ٹکراؤ، الفاظ کی غیر ضروری تکرار اور غیر متعلقہ باتوں سے مکمل پرہیز کیا جائے۔

(۳) جو بھی لکھیں وہ مربوط ہو یعنی تحریر میں ربط اور تسلسل ہو۔ ایسے جملوں سے مکمل پرہیز کریں جو بات کو غیر مانوس اور اجنبی بنادیں اور تحریر کے تسلسل میں خلل ڈالیں۔

(۴) اپنے موضوع اور عنوان پر زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جائیں اور جب تک اپنے پاس معلومات کا کافی ووافی ذخیرہ جمع نہ ہو جائے تب تک لکھنا شروع نہ کیا جائے کیوں کہ اس طرح آپ کی تحریر سے افادہ واستفادہ کے مواقع کم ہو جاتے ہیں۔

(۵) تحریر مختصر ہو یا طویل بہر صورت پیراگرفنگ (بند سازی) کی ضرورت، اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جب لکھیں اپنی تحریر کو پیراگرافوں میں تقسیم کر دیں۔ جہاں دیکھیں کہ ایک قسم کی بات پوری ہوگئی ہے وہاں فل اسٹاپ لگا کر نئے پیرے سے لکھنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنے سے بات سمجھنا سمجھانا بہت آسان ہو جاتا ہے اور تحریر کے حسن صوری کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

(۶) ابتدا ایسے دلچسپ اور پرکشش انداز سے ہونی چاہیے کہ پڑھنے والے کی طبیعت آغاز سے ہی تحریر کی طرف مائل ہو جائے اور خوبصورت آغاز کی دلکشی اسے اپنی گرفت میں لے لے اور اسی وقت اُسے چھوڑے جب وہ مکمل تحریر پڑھ چکا ہو۔

(۷) تحریر میں اختصار کی اہمیت ہر ذی علم بخوبی جانتا ہے یعنی غیر ضروری باتوں اور جملوں سے کنارہ کشی کرتے ہوئے کم سے کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔ تحریر میں الفاظ کثیر اور معانی قلیل ہوں گے تو اس کا معیار کم ہو جاتا ہے۔ البتہ، اس قدر بھی اختصار نہ ہو کہ مفاہیم و مطالب سمجھنا دشوار ہو جائے۔

(۸) کوشش کیجیے کہ جملے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور اپنی بات کو چند ٹکڑوں میں بیان کرنے کی صلاحیت بڑھائیں کیوں کہ بڑے جملے جہاں عبارت میں ”جھول“ کو جنم دیتے ہیں وہیں بعض اوقات بات کو سمجھنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

(۹) جس طرح کسی کام میں تقسیم کاری کا عمل اسے آسان بنا دیتا ہے اسی طرح اپنی تحریر کو بھی مختلف حصوں جیسے تمہید، نفس مضمون، خاتمہ وغیرہ میں تقسیم کر دیجیے مگر ان تمام حصوں کے مابین ربط قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ ان تینوں کی وضاحت حسب ذیل ہے:

(۱) تمہید: یہ تحریر کا سب سے اہم حصہ ہے۔ اس حصے میں نفس مضمون کے متعلق ایسی موثر باتیں اور زوردار جملے لکھے جائیں جن سے قارئین کے اذہان اصل موضوع کی طرف متوجہ ہو جائیں اور ان کی دلچسپی کا سامان ہو جائے۔ تمہید کا آغاز کسی ایسی حکایت، واقعہ، ضرب المثل، محاورے، چٹکلے یا کائنات کی کسی مسلمہ حقیقت کو بیان کر کے کیا جاسکتا ہے جو ہماری تحریر کے حسب حال اور مناسب ہو۔

(۲) نفسِ مضمون: یہ تحریر کا اصل حصہ ہوتا ہے۔ قلم کار پر لازم ہے کہ اس حصے میں اپنے موضوع کا حق ادا کرے۔ بات جس پہلو سے بھی کرے وہ مدلل اور تحقیقی ہو۔

(۳) خاتمہ: یہ تحریر کا آخری حصہ ہوتا ہے۔ اس میں اپنی ساری گفتگو کا خلاصہ انتہائی اچھے انداز میں پیش کیا جائے تاکہ قارئین ہماری تحریر کے متعلق باآسانی کوئی رائے قائم کر سکیں اور اس سے کوئی نتیجہ اخذ کر کے اس پر عمل پیرا ہوں۔ (ماخوذ از قواعد املا و انشا، ص ۶۸)

املا اور اُس کی درستی: جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم جو لفظ بولتے ہیں اس کا معنی و مفہوم بھی معلوم ہو وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ ہم جو لفظ لکھتے ہیں اس کی درست شکل و صورت کا علم ہو اور یہ دوسری بات زیادہ اہم ہے غور کیجیے کہ زبان سیکھنے کے سلسلے میں بچوں کو سب سے پہلے الفاظ کی صورتیں ذہن نشین کرائی جاتی ہیں کیونکہ یہ وقت صرف صورت نویسی (املا) سیکھنے کا ہی ہوتا ہے الفاظ کے معانی و مفاہیم بعد میں ذہن نشین کرائے جاتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ معانی و مفاہیم میں ”کثرت“ ہوتی ہے جب کہ الفاظ کی صورتوں اور شکلوں میں ”اتحاد“ ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عام طور پر ایک لفظ کے کئی معانی تو ہو سکتے ہیں مگر اس کی شکل و صورت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔ اس لیے بولنے والے پر یہ لازم نہیں کہ اسے لفظ کے تمام معانی و مفاہیم پتا ہوں۔ البتہ! لکھنے والے پر بہر صورت لازم ہے کہ وہ لفظ کی درست صورت کا پورا علم رکھتا ہو۔ (ماخوذ از اردو املا، ص ۱۰)

اہل زبان نے املا کی درج ذیل مختلف تعریفیں کی ہیں:

(۱) لفظوں کی صحیح تصویر کھینچنا املا کہلاتا ہے۔

(۲) رسم الخط کے مطابق صحت سے لکھنے کو املا کہتے ہیں۔

یہ تعریفیں لکھ کر رشید حسن خان کہتے ہیں: اصولاً یہ تعریفات درست ہیں مگر اردو میں املا کے جو مسائل ہیں ان کی وسعت اور عدم تعیین کے پھیلائے ہوئے انتشار کے پیش نظر یہ تعریفیں مختصر بلکہ مبہم معلوم ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے مناسب یہ ہوگا کہ ”املا“ کی اس طرح تعریف کی جائے کہ وہ ان سب پر حاوی ہو:

(۳) اردو کے رسم الخط کے مطابق لفظ میں حرفوں کی ترتیب کا تعیّن اور ترتیب کے لحاظ سے اُس لفظ میں شامل حروف کی صورت اور حرفوں کے جوڑ کے متعارف طریقہ کو ”املا“ کہتے ہیں۔ (اردو املا، ص ۲۱ ملخصاً)

نوٹ: یاد رہے کہ رسم الخط اور املا میں فرق ہے۔ کسی زبان کو معیاری صورت میں لکھنے کو رسم الخط کہتے ہیں جب کہ رسم الخط کے مطابق صحیح لکھنا املا کہلاتا ہے۔ رسم الخط اور املا کی درستی کے لیے مشق کے ساتھ ساتھ متعلقہ کتب کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

مرکب الفاظ الگ الگ لکھے جائیں: املا کا تعلق اصلا مفرد لفظوں سے ہے۔ انجمن ترقی اردو نے اور باتوں کے علاوہ یہ قاعدہ بھی بنایا تھا کہ "امکان کی حد تک لفظوں کو الگ الگ لکھنا چاہیے۔" صاحبِ نظر لوگوں نے اس قاعدے کو تسلیم کیا اور برتا بھی۔ اب گویا مرکب لفظوں کا الگ الگ لکھا جانا صحت سے قریں سمجھا جاتا ہے۔ (اردو املا ص ۲۴)

رسم الخط، املا اور کمپیوٹر: کمپیوٹر نے جہاں جدید دنیا کی بنیاد ڈالی ہے وہیں اس نے ہمارے رہن سہن اور روز مرہ پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے رسم الخط اور املا ہی کو لے لیجیے کہ اب زیادہ تر ہاتھ سے لکھنا متروک ہو گیا ہے اور اس کی جگہ ایسے سوفٹ ویئر نے لے لی ہے جنھوں نے رسم الخط اور املا کی مشکلات کو قدرے آسان کر دیا ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض الفاظ کو ان سوفٹ ویئرز سے درست لکھنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اسی لیے "پاپڑ بیلنے کا ماہر" تو یہ کام کر لیتا ہے مگر ناواقف اکثر ایسے الفاظ کی صحتِ کتابت سے صرف نظر کرتا ہے اور پاپڑ بیلنے کی مشقت سے بچتا رہتا ہے۔ حالاں کہ تھوڑی سی مشقت سے اپنی تحریر کے حسن صوری کو بڑھایا جا سکتا ہے۔

جملوں میں غلطیاں اور ان کی اصلاح: حروف الفاظ اور الفاظ جملوں کو جنم دیتے ہیں اور جب کچھ جملے ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو پیراگراف معرض وجود میں آتا ہے۔ چند پیراگراف مل جائیں تو ایک مضمون اور کالم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مضمون، کالم اور تصنیف کی بنیاد حروف ہیں مگر چوں کہ ان کی اکیلے اپنی کوئی حیثیت اور مفہوم نہیں ہوتا اس لیے کوئی معنی ادا کرنے کے لیے یہ الفاظ اور جملوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ حروف درست ہوں گے تو الفاظ درست ہوں گے اور الفاظ کی درستی پر جملے کی درستی منحصر ہے اور درست جملے تحریر کو عمدہ و خوبصورت بناتے ہیں۔ الغرض تقریر ہو یا تحریر جملوں کو قاعدہ و قانون کی غلطیوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تاکہ سننے اور پڑھنے والوں کو سمجھنے میں دقت و پریشانی اور بیزاری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہاں جملوں کی بعض عمومی غلطیاں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ ان سے بچا جا سکے۔

(۱) الفاظ کی زیادتی: بعض دفعہ جملہ لکھتے ہوئے الفاظ کی زیادتی کر دی جاتی ہے جیسے "درحقیقت میں بات یہ تھی"، "یہ آبِ زم زم کا پانی ہے"، "مسلمان بکثرت سے خیرات کرتے ہیں"، "یہاں پر تھوکنا منع ہے"۔ پہلے جملے میں "میں" یا "در" میں سے کوئی ایک لفظ آسکتا ہے اور دوسرے میں "کا پانی" زائد ہیں اور تیسرے میں "سے" نہیں لکھا جائے گا جب کہ چوتھے میں "پر" کی زیادتی ہے۔

(۲) مذکر و مونث میں تبدیلی: بعض اوقات مذکر کو مونث اور مونث کو مذکر لکھ دیا جاتا ہے مثلاً "اس کی کلام میں بڑی تاثیر ہے"، "فلاں کی ناک چپٹا ہے" حالاں کہ "کلام" مذکر اور "ناک" مونث ہے۔

(۳) واحد کو جمع بنا دینا: بعض لوگ واحد کی جمع لکھ دیتے یا جمع کو مزید جمع بنا دیتے ہیں۔ جیسے "اس نے یہ مقالات پڑھا ہے"، "اس کے الفاظوں میں دم نہیں"۔ پہلے جملے میں "مقالہ" اور دوسرے میں "الفاظ" ہونا چاہیے۔

(۴) املا اور ہجے میں غلطی: الفاظ لکھتے وقت کبھی ان کے املا میں غلطی ہو جاتی ہے بالخصوص جب کمپیوٹر سے کمپوز کیا جائے۔ جیسے موقع کو موقعہ، قصر کو کسر اور کسرت کو کثرت لکھ دیتے ہیں۔

(۵) عطف میں غلطی: بعض اوقات اردو یا اردو اور فارسی کے دو الفاظ کے درمیان واؤ عطف لگا دیا جاتا ہے جیسے بندوقیں و گولیاں، پانی و آتش۔ ان میں "واؤ" کی جگہ "اور" آئے گا۔

(۶) ترکیب میں غلطی: بعض لوگ دو مختلف زبانوں کے الفاظ کو مرکب کر لیتے ہیں اور ان کو اضافت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جیسے لب سڑک یا ٹکڑائے نان۔ یہ اضافت غلط ہے بلکہ سڑک کے کنارے اور روٹی کا ٹکڑا لکھنا چاہیے۔

(۷) الفاظ کی ترتیب میں غلطی: جملے میں سب سے پہلے فاعل پھر مفعول اور آخر میں فعل لایا جائے مثلاً "میں نے کاشف کو دیکھا"۔ "اس کو" "میں نے دیکھا کاشف کو" یا "دیکھا کاشف کو میں نے" لکھنا صحیح نہیں۔

(۸) امالہ کی غلطیاں: کسی لفظ کے آخر میں "الف" یا "ہ" کو یائے مجہول (ے) سے بدلنا امالہ کہلاتا ہے جیسے کندھا سے کندھے اور بندہ سے بندے۔ اس کی کئی مقامات پر ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا بھرپور توجہ رکھنی چاہیے۔ جیسے "اندھا نے سنا" کے بجائے "اندھے نے سنا" اور "یہ ہمارے دادے کا مکان ہے" کی جگہ "یہ ہمارے دادا کا مکان ہے"

بعض الفاظ کا استعمال: چونکہ جان دار اور پرکشش تحریر میں سارا کھیل ہی الفاظ کے درست استعمال کا ہے لہٰذا اچھا قلم کار بننے کے لیے ان کے استعمال سے واقف ہونا بہت ضروری ہے ورنہ عمدہ ذوق کے حامل افراد غیر معیاری تحریروں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ اگر

لکھاری کی ایسی تحریر کوئی باذوق قاری پڑھ لیتا ہے تو دوسری بار اس کی کسی بھی تحریر کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ یہاں بعض الفاظ کا استعمال اور ان کے تعلق سے ہونے والی غلطیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

(۱) لفظ "ہر" واحد کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، جمع کے ساتھ نہیں۔ مثلاً ہر شخص، ہر کتاب کو "ہر اشخاص" اور "ہر کتابیں" نہیں لکھتے۔ اگر جمع کے ساتھ لانا چاہیں تو لفظ "سارے"، "ساری" یا "تمام" لگاتے ہیں۔ جیسے تمام اشخاص، ساری کتابیں۔ البتہ اسم جمع کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے "ہر قوم"

(۲) بعض ناموں کے آخر میں آنے والے "الف" یا "ہ" کو "ے" سے بدل دیتے ہیں جیسے پتہ سے پتے، بچہ سے بچے مکہ مدینہ سے مکے مدینے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چھوٹے رشتہ داروں کے ناموں میں "الف" کو "ے" سے بدلنا درست ہے مگر بڑے رشتہ داروں کے ناموں میں درست نہیں جیسے بیٹے، بھتیجے، بھانجے اور پوتے وغیرہ لکھنا صحیح ہے لیکن نانے، دادے اور پھوپھے لکھنا غلط ہے۔ اسی طرح نابینا، راجہ، داتا، مرزا، خلیفہ، آغا اور ہمالیہ میں بھی "ے" سے تبدیل نہیں کیا جائے گا۔

(۳) بعض الفاظ کے ساتھ "کہ" نہیں لگاتے اگرچہ یہ رائج ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: جو، گویا، کاش اور عرض۔

(۴) کسی فوت شدہ شخص کے ساتھ لفظ "صاحب" استعمال نہیں کرتے بلکہ حسبِ موقع مرحوم یا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

(۵) لفظ "آپ" کے ساتھ فعل ہمیشہ جمع غائب لایا جاتا ہے۔ جیسے آپ تشریف رکھیں، آپ قدم رنجہ فرمائیں۔ ان کی جگہ "آپ تشریف لاؤ، آپ قدم رنجہ فرماؤ۔" لکھنا درست نہیں۔

(۶) لفظ "کہنا" کے ساتھ "کو" کے بجائے "سے" استعمال کرنا چاہیے۔ مثلاً "میں نے اویس کو کہا" غلط ہے۔ اسے یوں لکھیے "میں نے اویس سے کہا"۔

(۷) اردو مصادر کے ساتھ "نے" لکھنا غلط ہے جیسے "میں نے جانا ہے" اس کی جگہ "مجھے جانا ہے" لکھا جائے۔ اسی طرح ضمیر کے بجائے کسی کا نام ہو تو وہاں "نے" کے بجائے "کو" لکھنا چاہیے مثلاً "امجد کو آج محفل میں جانا ہے"

(۸) "کو خطاب کرنا" کے بجائے "سے خطاب کرنا" درست ہے۔ جیسے انہوں نے لوگوں سے خطاب کیا۔

(۹) "دو اشعار" اور "دو احکام" نہ لکھا جائے بلکہ "دو شعر" اور "دو حکم" لکھنا چاہیے۔

(۱۰) "مجھ کو، ہم کو" کا استعمال غیر فصیح ہے۔ ان کی جگہ "مجھے، تجھے اور ہمیں" ہونا بہتر ہے۔ ☆☆☆☆☆

(ص: ۱۳/ کا بقیہ)......... علامہ حافظ عبد الرازق اور علامہ صاحب زادہ اسرار الحق نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت علیہ الرحمۃ کا چہلم و پہلا عرس مبارک ۶/ اگست ۲۰۱۴ء کو وہیں مقرر کر دیا گیا ہے جس میں ملک بھر کے علمائے کرام حاضری دیں گے۔

مختلف علمائے کرام نے حضرت علیہ الرحمۃ کی تعزیت فون کے ذریعے کی جن سے فقیر کی براہ راست بات ہوئی ان میں سر فہرست استاذ العلما علامہ پیر محمد چشتی [پشاور]، مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمن [دار العلوم نعیمیہ، کراچی]، شارح بخاری علامہ غلام رسول سعیدی، پیر سید معروف حسین شاہ، مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی، علامہ صاحب زادہ احمد سیالوی [جامعہ نظامیہ لاہور]، شارح موطا مفتی شمس الہدی مصباحی، علامہ مولانا منشا تابش قصوری، علامہ مفتی وسیم اختر ضیائی [سیلانی ویلفئیر، کراچی] اور علامہ لیاقت اظہری [کیوٹی وی، کراچی] وغیرہم شامل ہیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ کی اولاد: حضرت علیہ الرحمۃ نے چار شادیاں کیں۔ آخری زوجہ جناب میاں چنو کی صاحب زادی ابھی حیات ہیں انھیں سے آپ کے بارہ بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ استاد مکرم حضرت غلام محمد تونسوی علیہ الرحمۃ کو تمام اہل اسلام کی جانب سے اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کی تمام علمی و مسلکی خدمات و مساعی کو قبول فرما کر آپ کی آرام گاہ کو بقعہ نور فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام شاگردوں کو آپ کے تدریسی مشن کو اسی اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

اس مضمون کو ترتیب دینے میں میں پیر محمد چشتی [پشاور]، علامہ فضل سبحان قادری [مرادن]، مفتی محمد رفیق الحسنی [کراچی]، حافظ عبد الرازق [بلوچستان]، صاحب زادہ اسرار الحق بندیالوی [بندیال] اور مولانا محمد اسماعیل [ملتان] کا متشکر ہوں کہ انھوں نے اہم معلومات فراہم فرما کر مجھ پر احسان فرمایا۔ ❊ ❊ ❊ ❊

نقد و نظر

نام کتاب	:	مجلس شرعی کے فیصلے (جلد اول)
مرتب	:	مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ
صفحات	:	۵۴۴
قیمت	:	۴۵۰/روپے
ناشر	:	مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
مبصر	:	خالد ایوب مصباحی شیرانی

”نئے مسائل ہمارے دور میں بھی پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے حل کے لیے علما و فقہا کی فکری و قلمی کاوشیں وقت کا اہم تقاضا ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ اپنی خداداد فقات اور علوم و فنون کی زبردست مہارت کے باعث تنہا ایک متحرک مجلس علما اور ایک فعال اکادمی کا کام بآسانی اور بتمام حسن و خوبی انجام دیا کرتے تھے جس پر فتاوی رضویہ کی بارہ ضخیم جلدیں شاہد عدل ہیں۔ مگر آج نو پیدا پیچیدہ مسائل کا حل کسی ایک ذات سے ہونا انتہائی مشکل بلکہ عادۃً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے الجامعۃ الاشرفیہ میں ۱۹۹۲ء میں مجلس شرعی کی تشکیل عمل میں آئی جس نے امام اعظم کے اصول و قواعد اور امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی کی روشنی میں اپنے سفر کا آغاز کیا اور آج بھی جادہ پیما ہے۔ اس نے اپنے سفر میں ملک کے نامور علما اور فقہا کو بھی شریک کیا اور نئے باصلاحیت علما کو بھی فکر و تحقیق سے وابستہ کیا جس کے نتیجے میں ساٹھ اہم مسائل کے فیصلے بھی ہوئے اور علما کی ایسی ٹیم بھی تیار ہوئی جو آئندہ زمام کار سنبھالنے کی اچھی صلاحیت رکھتی ہے۔“ (مجلس شرعی کے فیصلے، ص ۴۰)

یہ ہے صدر مجلس شرعی علامہ الحاج محمد احمد مصباحی دام ظلہ کے قلم حق رقم کی زبانی مجلس شرعی کا بنیادی مقصد اور اجمالی خاکہ جس کی تفصیل ۵۴۴/ صفحات پر مشتمل زیر تبصرہ کتاب مستطاب کا ایک ایک ورق ہے۔ ۲۰/ سیمیناروں کے ۱۲۹/ اجلاس اور ان میں ہوئے کل ۶۰/ فیصلوں اور ۳۸۰/ جزئی مسائل و احکام کا یہ جامع انسائیکلوپیڈیا ان شاء اللہ العزیز جدید فقہ و فقہیات کی تاریخ میں امتیازی حیثیت کا حامل ہوگا۔ ۴/ جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۳ء کی صبح سے شروع ہو کر ۸/ رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹/ مئی ۲۰۱۳ء کی سہ پہر تک کا یہ بیس سالہ فقہی سفر پامال راہوں کا نہیں نئی جہات اور نئی زمینوں کا سفر ہے لیکن اس کے باوجود یہ کیسے کیسے مسائل سلجھاتا چلا آیا ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جنھیں کبھی کسی نو پید مسئلے کے حل کے لیے رات دن دماغ سوزی اور عرق ریزی کرنے کی نوبت آئی ہو۔

ضمیمہ کو چھوڑ دیں تو کل کتاب کو انیس اجزا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا جز اسم بامسمی ”تبرکات“ ہے جس میں ص ۱۷/ تا ۲۴/ کتاب و سنت کے ارشادات اور ائمہ کرام کے اقوال ہیں۔ دوسرے جز ”ابتدائیہ“ میں بالترتیب مجلس شرعی کے سرپرست حضرت امین ملت اور حضرت عزیز ملت دام ظلہما کے گراں قدر تاثرات اور پھر صدر مجلس دام مجدہ کا ”نور فقاہت کی جہاں تابی“ کے عنوان سے ص ۳۰/ تا ۴۰/ نہایت معلوماتی مضمون ہے جس میں پہلے آپ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کلامی مہارت، فقہات باطن، نورانیت قلبی اور تدوین فقہ پر نہایت جامع اور مدلل کلام کیا ہے اور پھر اخیر میں امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی فقہ حنفی کی خدمات اور شان فقاہت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ آخری حصہ ”مجلس شرعی کے چند بنیادی اصول“ ہے جو ناظم مجلس محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ کا تحریر کردہ ہے۔ مجلس شرعی کے تیسرے اور چھٹے اصول کا تذکرہ کرتے ہوئے مفتی صاحب لکھتے ہیں: (۳) ماضی قریب کے فقہاے کرام میں فقیہ اجل علامہ ابن عابدین شامی، مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی، مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ مصطفی رضا خاں قادری علیہم الرحمۃ والرضوان کی تحقیق کو ترجیح حاصل ہوگی۔ مگر یہ کہ اسباب ستہ میں سے کوئی سبب متحقق ہو جائے۔ (۶) قابل تغییر احکام میں مجدد اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے بیان کردہ اسباب ستہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگی۔

(مجلس شرعی کے فیصلے، ص ۴۲ و ۴۳)۔

تیسرے جز میں ص ۴۵/ تا ۱۰۶/ مفتی صاحب قبلہ کا تفصیلی ”مقدمہ“ ہے جس میں فقہی مجالس کی تاریخ، قضاۃ کے فرائض و مسائل، فقہی اختلافات کے حدود اور فیصل بورڈ کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور اخیر میں ”یاد رفتگاں“ کے عنوان سے قیام مجلس سے لے کر تا ایں دم مجلس سے کسی بھی طور پر وابستہ رہے فوت شدگان کا ذکر جمیل ہے۔

اصل کتاب کی شروعات ص ۱۰۷/ سے ہوتی ہے جس میں پہلے فقہی سیمینار کے دو فیصلے: (۱) الکحل، اسپرٹ اور ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال (۲) بیمہ زندگی اور بیمہ اموال کی شرعی حیثیت“ درج ہیں۔ سیمینار کے دستور کے مطابق اگر بحث و تمحیص کے بعد بھی مندوبین کسی ایک فیصلے پر متفق نہیں ہو پاتے تو فیصلہ فیصل بورڈ کے حوالے کر دیا جاتا ہے (دیکھئے! مجلس شرعی کے فیصلے، ص ۸۹)، اس پہلے سیمینار میں ایسا ہی ہوا اور درج بالا عناوین پر فائنل فیصلہ

فیصل بورڈ کا رہا جس کے ارکان: تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری دام ظلہ، فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ وغیرہ تھے۔ درج بالا اجلاس کے علاوہ فیصل بورڈ کے کل تین اجلاس ہوئے۔ ۲۰۰۱ء میں حضرت فقیہ ملت کا وصال ہو گیا اور باقی بزرگ شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف قائم کر کے ۲۰۰۴ء سے فقہی سیمینار منعقد کرنے لگے۔ (مجلس شرعی کے فیصلے، ص ۹۰)

اب بالترتیب پہلے سے لے کر بیسویں سیمینار تک کے ساٹھ مسائل کا گلدستہ پیش ہے: (۱) الکحل آمیز دواؤں اور (۲) رنگین چیزوں کا استعمال (۳) بیمہ زندگی (۴) بیمہ اموال (۵) شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کھنچانے کی جازت (۶) مشترکہ سرمایہ کمپنی میں شرکت کے احکام (۷) دوامی اجارہ (۸) دیون اور ان کے منافع کی زکاۃ (۹) چک کی خرید و فروخت (۱۰) اسباب ستہ اور عموم بلوی کی تنقیح (۱۱) اعضا کی پیوند کاری (۱۲) علاج کے لیے انسانی خون کا استعمال (۱۳) تالاب اور باغات کے ٹھیکے کا مسئلہ (۱۴) دیہات میں جمعہ (۱۵) غیر مسلم حکومتوں میں جمعہ و عیدین (۱۶) ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہیں (۱۷) ہائر پرچیز کا حکم (۱۸) چھت سے سعی و طواف (۱۹) بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نامزدگی کی شرعی حیثیت (۲۰) فقدان زوج کی مختلف صورتوں کے احکام (۲۱) فسخ نکاح بوجہ تعسر نفقہ (۲۲) فلیٹوں کی خرید و فروخت کے جدید طریقے اور ان کے احکام (۲۳) مصنوعی سیارہ سے رویت ہلال کا حکم (۲۴) قضاۃ اور ان کے حدود ولایت (۲۵ تا ۲۹) مسائل حج (۳۰) دنیا کی حکومتیں اور ان کی شرعی حیثیت (۳۱) آنکھ اور کان میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ (۳۲) تقلید غیر کب جائز، کب ناجائز؟ (۳۳) بیت المال کے نام پر تحصیل زکاۃ (۳۴) مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیل زکاۃ (۳۵) کریڈٹ کارڈ (۳۶) تحصیل صدقات پر کمیشن (۳۷) طبیب کے لیے اسلام اور تقوی کی شرط (۳۸) مساجد میں مدارس کا قیام (۳۹) نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت (۴۰) میوچول فنڈ کے ذریعہ کمپنیوں میں کاروبار (۴۱) پرافٹ پلس کا حکم (۴۲) طویل المیعاد قرض پر زکاۃ کا حکم (۴۳) درآمد برآمد گوشت کا حکم (۴۴) جدید مسعی میں سعی کا حکم (۴۵) مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کا انتظام (۴۶) مجوزہ فلیٹوں کی سلسلہ وار بیع (۴۷) غیر رسم عثمانی میں قرآن حکیم کی کتابت (۴۸) طویلے کے جانوروں اور دودھ پر زکاۃ (۴۹) اینی میشن کا شرعی حکم (۵۰) برقی کتابوں کی خرید و فروخت (۵۱) زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال (۵۲) انٹرنیٹ کے شرعی حدود (۵۳) بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں (۵۴) فلیٹوں کی زکاۃ (۵۵) مسئلہ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں (۵۶) ڈی این اے ٹیسٹ اسلامی نقطہ نظر سے (۵۷) انٹرنیٹ کے مواد و مشمولات کا شرعی حکم (۵۸) عذر کے باعث طواف زیارت میں تاخیر کا شرعی حکم (۵۹) چلتی ٹرین میں فرض اور واجب نمازوں کا شرعی حکم (۶۰) جینیٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم۔

عوام تو عوام کسی ماہر فن اور بالغ نظر مفتی کے لیے ان مسائل کا حل بلا شبہ کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، یہ مسائل اپنے آپ میں کس قدر اہمیت کے حامل ہیں شاید اس کو سمجھنے کے لیے بھی ایک اچھے دار الافتا کی ایک طویل مدت تک خدمت اور خاصی ممارست درکار ہو۔ خدائے قدیر مجلس کے ارباب حل و عقد کو قدم قدم پر خیر و برکت سے نوازے، حنفیت کی اس عظیم خدمت پر وہ ایک ایک حنفی سے غیر معمولی پذیرائی اور امتنان و تبریک کے مستحق ہیں۔

مجلس کے اس کاروان محبت میں جہاں ہندوستان کے لگ بھگ ہر بڑے اور ذمہ دار عالم کی شرکت رہی ہے وہیں بیرون ملک کے جید علما بھی ذاتی یا تحریری طور پر تقریبا برابر کے شریک رہے ہیں، اس خصوص میں پاکستان سے علامہ عبد الحکیم شرف قادری اور مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہما الرحمہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سیمینار کا ایک اہم ترین بلکہ حاصل انجمن اور نہایت ذمہ داری کا کام رہا ہے اس کے فیصلوں کو نوٹ کرنا۔ یہ ذمہ داری علی الاعم کس کی اور کیوں رہی ہے؟ مفتی صاحب لکھتے ہیں: فیصلوں کو نوٹ کرنے کی ذمہ داری عموما ایک متقی، پرہیزگار اور محقق عالم حضرت علامہ الحاج محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی رہی ہے، کیوں کہ وہ جامع، مختصر، بہتر اور واضح تعبیر پر اچھی قدرت رکھتے ہیں اور فقہی مسائل و حوادث میں ان کی نظر وسیع و دقیق بھی ہے۔ عموما وہ جو تعبیر اختیار کرتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی لفظ پر کسی کو کلام ہو اور اس میں ترمیم کی جائے۔ موصوف مجلس شرعی کے سابق ناظم اور موجودہ صدر ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی صدر مجلس کا بہت اہم کام ہے۔ (مجلس شرعی کے فیصلے، ص ۵۴)

الغرض! مجلس شرعی کے فیصلے محض ایک کتاب نہیں مکمل رہنما ہے۔ جو ایک طرف جہاں معنوی کمالات کا مرصع، جدید فقہی مسائل کا انسائیکلوپیڈیا اور دور جدید کی ضرورتوں کا سامان ہے وہیں نسل نو کی خفتہ صلاحیتوں کو بڑی خاموشی سے مہمیز کرنے والا ایک مکمل رہنما بھی ہے۔ عمدہ کاغذ، جدید رسم الخط کا پورا لحاظ، بہترین طباعت سب خوبیاں موجود ہیں۔ ہاں! اگر جدید انگریزی اور فقہی اصطلاحات اور ادق الفاظ کا ایک کالم بڑھا دیا جائے اور عربی عبارتوں کا ترجمہ کر دیا جائے تو عوام و خواص سب کے لیے یکساں کار آمد ثابت ہو سکتی ہے۔ تاہم اس سے کتاب کی اہمیت کچھ بھی کم نہیں ہوتی اور بہر حال کوئی بھی ذمہ دار عالم اور خاص طور سے صاحب فقہ و فتوی اس سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔

☆☆☆

منظومات

نہیں آیا

ارے کم بخت جو کرنا تھا وہ کرنا نہیں آیا
شہِ دیں کی اداؤں پر تجھے مرنا نہیں آیا
ہے زعمِ عشق پھر کیسا، ہو چشم فیض پھر کیوں کر
جب ان کی یاد میں آہیں تجھے بھرنا نہیں آیا
بجھا دیتا ہے جس کا ایک قطرہ آتشِ دوزخ
اسی پانی سے اپنی آنکھ کو بھرنا نہیں آیا
جہاں جھکتے ہی سر کو ہر بلندی مل ہی جاتی ہے
ارے ناداں اسی چوکھٹ پہ سر دھرنا نہیں آیا
تھی یہ خواہش کہ میں پہنچوں دیارِ پاک الفت میں
مگر حالات کی زلفوں کو سر کرنا نہیں آیا
جب اس نے مجھ سے میری جان مانگی تو فنا اس پل
بڑی حیرت ہوئی، مجھ سے ”نہیں کرنا“ نہیں آیا

درِ سرکار تک پہنچے

چمن کیا دیکھے وہ پھر، کیسے وہ گلزار تک پہنچے
مقدر سے نظر جس کی رخِ سرکار تک پہنچے
کبھی دستِ شفا کی دستک آزار تک پہنچے
مسیحا بن کے وہ خود ہی دلِ بیمار تک پہنچے
در و بامِ رسالت سجدہ گاہِ سب ملائک ہے
کسے ہمت کہ ان کے سایۂ دیوار تک پہنچے
حمایت جس کو حاصل ہو گئی ربِّ محمد کی
وہی کنعاں سے نکلے، مصر کے بازار تک پہنچے
لبِ دریائے عشقِ مصطفیٰ کی ہے طلب کس کو
بڑی مشکل سے تو دیوانے اِس منجدھار تک پہنچے
مئے دیدار پی کر مست ہو جاؤں فنا ایسے
خرد کو ہوش آئے نا کبھی مے خوار تک پہنچے

از: محمد ذاکر حسین نوری فناء القادری مصباحی

منقبت حافظ ملت علیہ الرحمۃ

عزیز الاولیا ہیں میرے آقا حافظِ ملت
مرے رہبر، مرے سرکار، داتا، حافظِ ملت

یہ کارِ خدمتِ دیں زندگانی وقف تھی جن کی
شریعت اور سنت ہیں سراپا حافظِ ملت

جہاں میں ظلمتوں کے جس نے ملت کو ضیا بخشی
بفضلِ رب وہی فیضِ بہا ہیں حافظِ ملت

لہو کا رنگ جس کے ملتا ہے مصباحی غنچوں میں
وہی علم و ادب کا ارتقا ہیں حافظِ ملت

عزیزی کے مقدر پر کروڑوں رشک کرتے ہیں
عزیزی کے لیے وجہِ بقا ہیں حافظِ ملت

زمانے میں ہیں جن کے در کے ذرے نیرِ تاباں
وہی بحرِ کرم، لطف و سخا ہیں حافظِ ملت

یہ گلشن اہلِ سنت کا بھلا کیوں کر نہ مہکے گا
بذاتِ خود یہاں جلوہ نما ہیں حافظِ ملت

زمیں سے آسماں تک جسکی عزت اور شہرت ہے
وہی عشق و عبادت کی ادا ہیں حافظِ ملت

از: عالی جناب عبد العلی عزیزی، ممبئی

منقبت

شیخ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ

ورا ہے فہم سے رفعت محدث سورتی تیری
ہوئی کونین میں شہرت محدث سورتی تیری

نگاہیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں تجھ کو سارے عالم میں
کہ تھی اک نور کی صورت محدث سورتی تیری

ترے دریا سے پیاسے علم کے سیراب ہوتے ہیں
کہ فیضِ عام تھی رحمت محدث سورتی تیری

نہیں ہیں نام لیوا تیرے کچھ اہلِ زمیں تنہا
فلک پر بجتی ہے نوبت محدث سورتی تیری

نہیں بجتا ہے پیلی بھیت ہی میں کچھ ترا ڈنکا
ہے سارے ہند میں شہرت محدث سورتی تیری

سیاہی نامۂ اعمال کی کافور ہوتی ہے
ملے اب وہ کہاں صحبت محدث سورتی تیری

رکھے فیضاں ترا جاری ترا عبد الاحد بیٹا
یہ باقی ہے بڑی نعمت محدث سورتی تیری

خداوندا ہو جاری پھر مرے مولا کا بحرِ فیض
بٹے ہر اک کو پھر دولت محدث سورتی تیری

امام المسلمیں احمد رضا خاں جب کہ واصف ہوں
لکھے عرفاں کیا مدحت محدث سورتی تیری

از: مولانا عرفان علی رضوی بیسل پوری

صدائے بازگشت

ماہ نامہ پیامِ حرم کا مبلغِ اسلام نمبر

مکرمی!.............................سلام مسنون

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل مبلغ اسلام علامہ مولانا الشاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ کی مقدس حیات اور زریں کارناموں کے حوالے سے تقریباً ساڑھے چھ سو صفحات سے زائد پر مشتمل وقیع اور پر مغز مقالات کا مجموعہ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی کے ترجمان ماہ نامہ پیام حرم کا مبلغ اسلام نمبر ہندوستان میں پہلی بار عن قریب منظر عام آرہا ہے۔ ان شاء اللہ اس کا اجرا یوم عاشورہ پر منعقد عرس علیمی و عرس شہید اعظم کے موقع پر مصطفی بازار ممبئی میں ہوگا۔

ترتیب وتدوین: مولانا صادق رضا مصباحی

سرپرستی: مولانا معین الحق علیمی صدر اعلیٰ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی یوپی

دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی، یوپی، پن نمبر ۲۷۲۰۰۲

clickart92@gmail.com

ماہ نامہ اشرفیہ قوم کی آواز

مکرمی!.............................سلام مسنون

ماہ نامہ اشرفیہ بہت ہی عمدہ نکل رہا ہے، اشرفیہ قوم کی آواز ہے، ماہ نامہ اشرفیہ دلوں کی دھڑکن ہے، ماہ نامہ اشرفیہ میں جہاں ایک طرف دینی مسائل اور بزرگوں کے واقعات رہتے ہیں تو دوسری جانب سیاسیات میں بھی پیش پیش ہے۔ اس سے ہمیں بہت ساری دینی و دنیوی باتیں حاصل ہوتی ہیں گویا کہ وہ ایک مبلغ ہے اور تبلیغ میں اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔ اسی لیے ہر ماہ ماہ نامہ اشرفیہ کا مجھے شدت سے انتظار رہتا ہے۔ فقط۔ خادم

مدرسہ اشرف العلوم بھرتھاپور، بلرام پور

نبی کی رحمتِ نوری سے ڈھک گئی دنیا

مکرمی!.............................سلام مسنون

ماہ ستمبر ۲۰۱۴ء کا شمارہ ماہ نامہ اشرفیہ زیر مطالعہ ہے۔ مضامین کا حسنِ انتخاب اور ترتیب سابقہ روایت کے مطابق بہتر ہے۔ قابلِ ذکر ہیں مندرجہ ذیل عناوین کے مضامین۔

آپ کے مسائل، فلسفۂ اسلام اور مقامِ انسانیت، اقوامِ متحدہ میں مسلم سائنس دانوں کی یادگار، حق دفاع کے بہانے فلسطینیوں کی نسل کشی، جارحانہ قوم پرستی اور مسلمان، اردو میں منقبت نگاری کا آغاز و ارتقا، صدائے بازگشت۔ یہ وہ مضامین ہیں جن میں عوام وخواص دونوں طبقوں کی دل چسپی کے سامان موجود ہیں۔ علمی و روحانی شخصیات سے تعارف کا ذوق رکھنے والوں کے لیے یادِ رفتگاں کے تحت "قاضی سید عبدالفتاح گلشن آبادی حیات اور علمی آثار" بھی موجود ہے۔ ایسی شخصیات سے متعارف کراتے رہیں تو اچھا ہے۔

منظومات کے صفحے پر کل چار نعتیں ہیں، پہلی نعت جس کے شاعر حسن رضا اطہر (بوکارو) ہیں۔ اس نعت کے مطلع کا پہلا مصرع ہے: "ہزار رنگ کے پھولوں سے ڈھک گئی دنیا" اس پر کچھ عرض کرنا ہے۔

نعت کہتے ہیں اس کلام کو جس میں حضور ﷺ کی تعریف کی گئی ہو، عرفِ عام یعنی شاعری کی اصطلاح میں حضور ﷺ کی منظوم تعریف کو نعت کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کی تعریف کماحقہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، مگر نعت گو شعرا کے لیے ماضی بعید اور ماضی قریب کے مسلم و مستند شعرا کے نعتیہ کلام نمونہ ہیں، جس کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے اور استفادہ کرنا چاہیے۔ مثلاً:

وَاَحْسَنُ مِنكَ لم ترقت عيني
واجمل منل لم تلد النساؤ
خلقت مبرّأً من كل عيب
كانّك قد خلقت كما تشاؤ

(حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ترجمہ: یا رسول اللہ آپ جیسا حسین میری آنکھ نے دیکھا ہی نہیں۔ یا رسول اللہ آپ جیسا جمال والا کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ یا رسول اللہ آپ تمام عیوب سے پاک پیدا کیے گئے، حتیٰ کہ جیسا آپ چاہتے تھے ویسا آپ کو پیدا کیا گیا۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ)

ترجمہ: اے جمال والے اور اے انسانوں کے سردار، آپ ہی کے رخِ روشن سے روشنی پاکر چاند بھی روشن ہے۔ آپ کی تعریف جیسا آپ کا

حق ہے، ممکن نہیں۔ بس مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ و برتر ہیں۔

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ)

مذکورہ بالا اشعار میں ہمارے بزرگوں نے حضور ﷺ کی تعریف کا جو انداز اپنایا ہے اس سے رہ نمائی حاصل کرنی چاہیے "ہزار رنگ کے پھولوں سے ڈھک گئی دنیا" یہ ایک تشبیہ ہے جس سے مراد حضور ﷺ کا فیضان ہی ہو سکتا ہے۔ اب اس میں حضور ﷺ کے بے مثل فیض رسانی ہزار کی گنتی میں سمٹ گئی ہے۔ اگرچہ یہ تنقیص واہانت کے زمرے میں نہیں آئے گی، مگر خوب سے خوب تر کی جستجو کے نظریے کے تحت اس مذکورہ نعت کا مطلع اور ایک شعر یوں کر دیا جائے تو بہتر ہے۔

نبی کی رحمتِ نوری سے ڈھک گئی دنیا
وہ کائنات میں آئے، چمک گئی دنیا
لاکھ دو لاکھ سے زائد بھی کھلے پھول مگر
آخری پھول کھلا تو مہک گئی دنیا

اس مذکورہ نعت کے بقیہ اشعار اچھے ہیں، خصوصاً یہ شعر۔

جمالِ سیدِ کونین کے کفِ پا کی
مثال ڈھونڈنے نکلی تھی، تھک گئی دنیا

بہت اچھا ہے۔ فقط

محمد خلیل مصباحی چشتی، عزیز نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ

دونوں شخصیات گوناگوں اوصاف وکمالات کی حامل

مکرمی! ....سلام مسنون

ستمبر ۲۰۱۴ء کا شمارہ موصول ہوا۔ مشمولات کا بغور مطالعہ کیا، دل کو خوشی اور علم میں اضافہ ہوا۔

ایڈیٹر صاحب کا یوں تو ہر مضمون میں بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھتا ہوں مگر حضرت کا اداریہ بہت جامع مانع ہوتا ہے اور پورے رسالہ کی روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ یقیناً جس طرح الجامعۃ الاشرفیہ اپنی خدماتِ جلیلہ اور اسلامی تعلیم کی ترویج و اشاعت میں ممتاز اور بے مثال ہے اسی طرح ماہ نامہ اشرفیہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

خیر الاذکیا مصباحی صاحب قبلہ مد ظلہ النورانی کا صدر المدرسین کے منصب سے ریٹائر ہو کر ناظم تعلیمات کے منصب پر اور سراج الفقہا حضور مفتی صاحب قبلہ کا منصبِ صدارت پر فائز ہونا خوش کن ہے۔

بلا شبہ دونوں شخصیات گوناگوں اوصاف وکمالات کی حامل اور اسلام کی ترویج و اشاعت اور خدماتِ دینِ متین میں ممتاز اور بلند پایہ مقام رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سایۂ کرم کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ ہم ان کے فیوض و برکات سے مالا مال اور ان کی خدماتِ جلیلہ سے مستفید ہوتے رہیں۔ آمین فقط

رضا حسین مصباحی، مدرسہ دینیات تعلیم القرآن، شاہ جہاں پور

میں سرکش انسان کو اسلام کی حقانیت سے روشناس کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا

مکرمی! ....سلام مسنون

امید سعید ہے کہ عافیت سے ہوں گے۔ رب کریم آپ پر اپنا فضل فرمائے۔ انسان کی سرکشی، دنیا کے موجودہ حالات، معاشرتی نظام حیات کا زوال یہ سب چیزیں دل و دماغ کو بے چین کر دیتی ہیں۔ میں چوں کہ تحقیق کے شعبہ سے وابستہ ہوں۔ عالمی دنیا پر نظر رکھنا میرے فرائض کا حصّہ ہے۔ چنانچہ میں نے یہ ذہن بنا لیا کہ میں اس سرکش انسان کو اسلام کی خوبصورت اور انسان دوست تعلیمات سے آگاہ کر کے ظلمت و تاریکی کی جانب پیش قدمی کو روکنے اور حقیقت اور حقانیت سے شناسا کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ آج دنیا میں معاشرتی نظام تباہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرقان حمید سے مستفاد معلومات آپ کے علم دوست ماہنامہ کی نظر کرتا ہوں۔

گزشتہ ماہ "فلسفۂ اسلام اور مقام انسانیت" کے عنوان سے لکھے گے مضمون کو قارئین نے پسند کیا۔ ای میل اور میسج کی صورت میں تحسینی پیغام بھی موصول ہوئے۔۔۔ ادب کی چاشنی سے بھرپور، علم و حکمت کی خوشبو سے معطر ماہنامہ اشرفیہ کے ذمہ داران کا اور قارئین کا شکر گزار ہوں۔

طالب دعا۔ ڈاکٹر ظہور احمد دانش

میڈیا ریسرچ انسٹیٹیوٹ zahoordanish98@yahoo.com

سنبھل اپنی تمنا کے لہو سے کھیلنے والے

مکرمی! ....سلام مسنون

آج دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں بسنے والے مسلمان انتہائی ناگفتہ بہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، مسلمانوں کا خون پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہے، کوئی ان کا حال دریافت کرنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی سہارا دینے والا۔ بیش تر ممالک خانہ جنگی میں مبتلا ہیں اور وہاں کے شہری باعزت زندگی گزارنے کے بجائے خانہ بدوشوں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، وہ عراق ہو یا ایران، کشمیر ہو یا پاکستان، چیچنیا ہو یا مراکش اور ان میں

سب سے زیادہ ناگفتہ بہ حالت فلسطین کے مسلمانوں کی ہے جو بیت المقدس کی بازیابی کے لیے اپنے خون کے سوداگروں کے ہاتھوں روزانہ سیکڑوں کی تعداد میں شہید ہورہے ہیں۔ مگر ممالکِ اسلامیہ کے سربراہان اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لیے خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، جس کے نتیجے میں غازہ کے مسلمان حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور عالمی انجمنیں کچھ بھی نہیں کرتیں، وجہ یہ ہے کہ ساری عالمی ایجنسیاں امریکہ اور سامراجی طاقتوں کے زیرِ اثر کام کرتی ہیں، جن کا کام یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف سے فلسطین پر اسرائیل کی جانب سے بمباری کروائی جاتی ہے اور پھر دوسری طرف سے وہی ایجنسیاں مگرمچھ کے آنسو بہا کر معاملہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوجاتی ہیں، اسرائیل کے خلاف جب بھی کوئی قرار دادِ اقوامِ متحدہ میں پیش کی جاتی ہے تو اس پر امریکہ ویٹو کرتا ہے، فلسطینی مسلمانوں کے خلاف اور اسرائیل کی حمایت میں امریکہ نے ایک سو سے زائد بار ویٹو کیا ہے اور ہمارے بنام مسلمان حکمراں جب وقت آتا ہے تو امریکہ کی صف میں کھڑے ہونے میں اپنی سرخروئی سمجھتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے۔

ہمارے حکمراں تو حکمراں ذمہ دار علما نے بھی آج تک اپنا کوئی سیاسی پلیٹ فارم تیار نہیں کیا، جس کا کوئی وزن ہوتا اور ایسا ہو بھی کیوں کر، ہمارے علما خود خانہ جنگی کا شکار ہیں ہم کبھی اشرفی رضوی کا جھگڑا کھڑا کرتے ہیں تو کبھی کوئی اور کبھی کوئی اس وقت اہل سنت دو خانوں میں پھر تقسیم ہے، آخر ہمارے یہ ذمہ دار علما قوم کو کیا دینا چاہتے ہیں؟ قوم کو کس راستہ پر لگانا چاہتے ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے ذمہ دار علما خود اپنی ذمہ داریوں کو بھول بیٹھے ہیں، کیا علامہ فضل حق خیر آبادی و مفتی صدر الدین آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی کے دور میں علما میں آپسی اختلاف نہیں تھا، مگر اس کے باوجود علما نے ایک ٹیم تشکیل دی اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تو کیا آج ہمارے علما ایک تنظیم بنا کر امریکہ و برطانیہ کی مصنوعات کا بائیکاٹ نہیں کرسکتے، اگر کسی ملک کو کمزور کرنا ہے تو سب سے پہلے اس کی معیشت پر حملہ کریں وہ ملک بلا کسی ہتھیار اور گولا بارود کے کمزور ہوجائے گا، ممبئی کے علما و ائمہ نے تو اس کو محسوس کیا اور کوکا کولا اور پیپسی جیسے مشروبات کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا، اور آج ممبئی وغیرہ میں اس پر سختی سے عمل ہورہا ہے، مگر اس ضرورت کو محسوس نہیں کیا تو یوپی کے علما و ائمہ و مفتیان کرام نے۔ ہمارے ذمہ قوموں کی رہنمائی ہے، ہم اس فریضہ کو عمدہ طریقہ سے ادا کرنے کی کوشش کریں۔

از: (قاری) محمد دانش خاں۔ محمد آباد، مئو

اساتذۂ مدارس استحصال سے بچیں

مکرمی!...................سلام مسنون

کہتے ہیں کہ اگر خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کوئی کام کیا جائے تو وہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے، اگر نام ونمود اور حصولِ زر کا مقصد اس میں پنہاں ہو تو وہ کام ناقص اور ادھورا ہی رہ جاتا ہے اور گندم کے ساتھ گھن بھی پستے جاتے ہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے جدید عصری علوم کے اساتذہ اور منظور شدہ و امداد یافتہ مدارس میں تعینات علما کے مسائل کو حل کرانے کے لیے آل انڈیا چیمپین سمیت کئی تنظیموں کا نام اخبارات ورسائل کے پنوں کو سیاہ کر رہا ہے۔ ایک ایک تاریخ میں کئی کئی اضلاع میں میٹنگیں دکھا کر واہ واہی کے ساتھ اساتذہ کی جیب پر ڈاکہ زنی بھی کی جارہی ہے۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ایک احتجاجی جلسہ کے نام پر فی ضلع ۲۰ر سے ۲۵ر ہزار روپیہ متعیّن ہے۔ سال میں ممبری فیس کے نام پر ایک مدرس سے ۳۰۰ر روپے کی وصولی ہوتی ہے۔ اکثر ضلع کے عہدے داران پرنسپل بنائے گئے ہیں، پرنسپلوں کے دباؤ میں اساتذہ منہ مانگی رقم دینے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ اگر کبھی ایریئر وغیرہ کی رقم آتی ہے تو ان عہدے داران کی چاندی ہوجاتی ہے۔ ضلع اقلیتی افسروں کے کلرکوں سے سانٹھ گانٹھ کرکے یہ ایسوسی ایشن کے عہدے داران فیصد کے اعتبار سے رشوت طے کراتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ اساتذۂ مدارس ظالم افسران سے ان دنیادار عہدے داران سے زیادہ پریشان نظر آتے ہیں۔

تمام مدارس سے موقر اساتذہ سے میری مودبانہ گزارش ہے کہ ان لالچیوں کے ظلم واستبداد کو ہم کب تک برداشت کریں گے؟ خدا کے لیے آپ کو کسی کو بھی ایک روپیہ ہرگز نہ دیں، یہ ہمارا کچھ نہیں کرسکتے۔ اسی طرح جدید عصری علوم کے اساتذہ چار چار سال تک تنخواہ سے محروم رہتے ہیں، ان کی فریاد سننے والا کوئی نہیں۔ ایک درجن تنظیم بنا کر سب صرف مالی و دماغی استحصال کر رہے ہیں، اس وقت مشرقی یوپی میں یہ وبا بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اللہ رب العزت اساتذۂ مدارس کو اس سے محفوظ رکھے، اخبارات کے موقر مدیر صاحبان سے بھی گزارش ہے کہ ایسے لوگوں کو زیادہ ہائی لائٹ کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ادارے خود ہی اختلاف وانتشار کے گہوارے بنے ہوئے ہیں۔ خدا را ان سے اساتذہ وعلما کو بچائیں۔

فقط محمد شاداب برکاتی مصباحی، ادری، ضلع مئو

☆☆☆

خیر و خبر

رضا اکیڈمی کی ٹیم نے کشمیر میں ریلیف تقسیم کی

رضا اکیڈمی ممبئی کا وفد الحاج سعید نوری کی قیادت میں کشمیر میں سیلاب زدگان کی ریلیف کے لیے سرنگر ایئر پورٹ پر مع ریلیف وسازوسامان ۱۷؍ستمبر ۲۰۱۴ء کو دوپہر ۱؍بجے پہنچا۔ وفد نے سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور گھر گھر جاکر ریلیف تقسیم کی۔ سری نگر کے سب سے زیادہ متاثر علاقہ مڈگام، ٹینگ پورہ بائے پاس، ڈی مان، قمرواڑی، راناواڑی، نوشارہ، ڈی۔ ایچ، ایم، شال ٹینگ وغیرہ کا دورہ کیا اور کھانے پینے کی ضروری اشیاء، بسکٹ، دودھ، پانی، کھانے کا تیل، چاول، نیوکلیر (Ready To Eat)، بریڈ، بندپاؤ اور دوائیں تقسیم کی۔

ساتھ ہی سری نگر کے مختلف علاقوں میں متاثرین کی خدمت کے لیے لگائے گے کیمپوں کا جائزہ لیا۔ جس میں کھانے پینے کے کیمپ اور میڈیکل کیمپ شامل ہیں۔ کیمپ میں موجودہ ڈاکٹروں سے الحاج سعید نوری نے دریافت کیا اگر دواؤں کی ضرورت ہو تو بتائیں ہم بھیجوادیں گے۔ ڈاکٹروں نے دوائیں لکھوائیں۔ اس کے بعد اکیڈمی کے افراد نے اس کیمپ میں دوائیں فراہم کی Huma میڈیکل کیمپ میں بھی دوائیں فراہم کی گئی۔ شال ٹینگ میں واقع دایریکٹر انڈین سسٹم آف میڈیسن کیمپ اور گورنمنٹ یونانی اسپتال (Govt. Unani Hospital) کا دورہ کیا۔ اسپتال کے اردگرد پانی بھرا ہوا تھا اندر جانے کے لیے تمام راستے بند تھے اسپتال کے پہلے منزلہ پر الحاج سعید نوری اور ان کے رفقا عارضی سیڑھی کے ذریعے چڑھ کر اسپتال میں داخل ہوئے۔ وہاں ڈاکٹر عبدالکریم (ڈایریکٹر جنرل انڈین سسٹم آف میڈیسن، جے۔ ایم۔ کے) سے ملاقات کی انھوں نے بتایا کہ اس کیمپ کے ذریعے روزانہ تقریباً ۱۲۰۰؍ مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس کیمپ میں بھی اکیڈمی نے دوائیں مفت فراہم کیں۔

سری نگر کے قرب جوار میں سیلاب کی وجہ سے بے شمار گھروں میں پانی بھر گیا تھا مٹی سے بنائے گئے تقریباً ۳۰۰ سے زائد کچے مکانات سیلاب کی نذر ہوگئے وہاں کے مکین حیدرپور بائی پاس روڈ پر خیمہ نصب کرکے پناہ حاصل کیے ہوئے ہیں۔ وہاں پر ایک ایک خیمہ میں جاکر کھانے پینے کی اشیا تقسیم کی۔

وفد نے سری نگر کے ناربل علاقہ کا دورہ کیا جو کہ ۱۳ محلوں پر مشتمل ہے جہاں تقریباً ۳۵۰۰؍ افراد کی بستی ہے۔ سیلاب کے ذریعہ تقریباً ۲۰۰ مکانات بری طرح تباہ ہوگئے ہیں۔ چھت اور دیواریں گرگئی ہیں۔ جو مکانات بچے ہے ان کا حال یہ ہے کہ دیوار بیچ میں سے (Crack) ہوگئی ہیں۔ پانی کی سطح جیسے جیسے نیچے جارہی ہے۔ دیواروں میں دراڑ پیدا ہورہی ہے۔ اکیڈمی کی جانب سے ریلیف سے بھرا ہوا ٹرک اور کار، وفد کی طرف سے امداد اور شفقت دیکھ کر اپنی پرنم آنکھوں کے ساتھ روتے روتے نوری صاحب اور ان رفقا کو دعائیں دی۔

اس طرح وفد نے ریلیف تقسیم کرتے ہوئے سری نگر کے ناربل، بوٹ کالونی، ٹینگ پورہ بائے پاس، خیام چوک، آزاد روڈ، چھنگ پورہ، ندی پل، نوگام وغیرہ علاقہ کا دورہ کیا اور ریلیف تقسیم کی۔

وفد نے جنوبی کشمیر کا دورہ کیا اور اسلام آباد، شیرپور، دیوا کالونی، جنگلات منڈی، اچھابلد، بینگڈارا، ٹیمی پورہ وغیرہ متاثرہ علاقوں میں ریلیف تقسیم کی۔

رضا اکیڈمی کی ٹیم نے بڑی جانفشانی کا مظاہرہ کیا۔ جامع مسجد توحید آباد، گھاٹ پلاؤ سے تین کشتیوں پر ریلیف کا سامان رکھا گیا۔ اکیڈمی کی ٹیم کشتیوں پر سوار ہو کر مع سازوسامان روانہ ہوئی۔ راستہ میں جتنے متاثرہ گھر ملے وہاں ریلیف تقسیم کی گئی۔ تقریباً ۳۵؍ منٹ کشتیوں میں سفر کرنے کے بعد گھاٹ گوپالن گاؤں پہنچے، کشتی کنارہ لگائی گئی، وہاں نماز عصر کی ادا کی گئی۔ گاؤں کے تمام جھونپڑوں اور گھروں میں ریلیف تقسیم کی گئی۔

کشمیر کی وادیوں میں بے شمار میٹھے پانی کے صاف و شفاف چشمہ پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کا بیان ہے کہ یہ پانی مینیرل واٹر سے بھی شفاف ہے۔ اہالیان کشمیر انہیں چشموں کا پانی پینے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مگر سیلاب کی تباہی کے بعد صاف اور شفاف پانی کی شدید قلت ہوگئی ہے۔ رضا اکیڈمی نے کشمیر میں فری واٹر ڈے کا اہتمام کیا۔ شفاف پانی کی بوتل سے

بھرے ہوئے ۲؍ ٹرک اور ۲؍ گاڑی بارہ مولہ سے سری نگر پہنچے۔ درگاہ حضرت بل، سری نگر اور درگاہ حضرت دستگیر صاحب، خانیار پر پانی کی سبیل کو "سبیل حسین" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

رضا اکیڈمی کا وفد الحاج سعید نوری کی قیادت میں تقسیم ریلیف کے ساتویں دن درگاہ حضرت بل سری نگر میں صلوٰۃ وسلام و دعا سے آغاز کیا۔ حصول برکت کے لیے درگاہ حضرت بل کے احاطہ میں میں پانی تقسیم کیا گیا۔ درگاہ سے قریب ڈل جھیل کے سامنے ۱۴۰؍ گھر جھیل کی طغیانی سے متاثر ہوئے تھے۔ یہاں حکومت کی طرف سے صرف ۴؍ کلو آٹا، ایک کلو دال اور ایک کمبل دیا گیا، ایک کمبل ایک فیملی کے لئے کیسے کافی ہوسکتا ہے۔ یہاں کے مکین حکومت سے شدید ناراض ہیں، حکومت نے خاطر خواہ کوئی مدد نہیں کی۔ ڈھل جھیل کے سامنے موتی محلہ، کرڈے میں ریلیف تقسیم کی۔ گورنمنٹ بوائز ہائیر سیکنڈری اسکول (اکھون محلہ) میں ۴۵؍ فیملی پناہ گزین ہے، اسکول میں نوری صاحب نے دورہ کیا اور ریلیف تقسیم کی۔ سلطان العارفین مخدوم صاحب (محلہ مخدوم)، راج باغ، کرسوراج باغ، ٹورسٹ سینٹر، پولو ویو، زیرو برج کا دورہ کیا۔ ایم۔اے۔ روڈ، ریگل چوک، گھنٹہ گھر، لال چوک اور بڈشا چوک، جہاں آج بھی پانی بھرا ہوا ہے۔ ٹیم کے افراد متاثرین تک پہنچے اور ریلیف و پانی دیا۔ رضا اکیڈمی ممبئی کے اراکین اور ذمہ داروں نے مسلسل ایک ہفتہ تک یہاں مختلف علاقوں کا دورہ کرکے انسانیت نوازی کا حق ادا کیا۔

جشن مفتی اعظم راجستھان

۱۷؍ ستمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ بعد نماز عشا "جشن مفتی اعظم راجستھان" علیہ الرحمۃ والرضوان سرزمین باسنی میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ جس میں کثیر تعداد میں علماے کرام اور عوام اہلِ سنت نے شرکت کی، بالخصوص مولانا سید نورانی میاں اشرفی کچھوچھوی جانشین مفتی اعظم راجستھان، مفتی شیر محمد خاں رضوی شیخ الحدیث دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور، مفتی محمد عالم گیر رضوی مصباحی، مولانا محمد فیاض احمد رضوی جودھ پور نے شرکت فرماکر اپنے بیانات و خطابات کے ذریعہ حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: حضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمۃ نے اپنی پوری زندگی دین و سنیت اور اشاعتِ مسلکِ اعلیٰ حضرت میں صرف فرماکر جو زریں کارنامے انجام دیے ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ رہتی دنیا تک جنھیں یاد رکھا جائے گا۔ اہلِ باسنی سے حضرت کی عقیدت کی واضح نشانی یہ ہے کہ انھوں نے حضرت کے وصال کو ابھی ایک سال بھی نہ ہوا کہ حضرت کے پہلے عرس مبارک کے طور پر شان دار جشن مفتی اعظم راجستھان کا انعقاد کرکے دیگر مقامات کے لیے قابلِ تقلید کام کر دیا۔ اللہ عز و جل اہلِ باسنی کی عقیدت و محبت کو سدا سلامت رکھے۔۔ آمین۔

مفتی ولی محمد رضوی نے حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کے اہلِ باسنی و اہلِ راجستھان پر جو احسانات تھے، ان کا ذکر کیا۔ مولانا مفتی محمد عبد القادر رضوی اشفاقی نے تمام علماے کرام و مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا، اس موقع پر شہزادۂ مفتیِ اعظم راجستھان الحاج محمد معین الدین اشرفی، مولانا محمد حنیف شیرانی، مولانا الیاس احمد کمھاری، قاضی معراج ناگور، مولانا نثار احمد، مولانا سید محمد علی اشرفی، مولانا حافظ سعید اشرفی، مولانا حافظ اللہ بخش، مولانا ابوبکر اور قرب و جوار کے بے شمار علما و ائمہ رونقِ اسٹیج تھے۔ پروگرام کا اختتام ایک بجے شب میں صلاۃ وسلام اور دعا پر ہوا۔ از: محمد اسلم رضا قادری

ایک اہم خوش خبری

مفتیِ جاورہ حضرت مفتی ابو طاہر محمد طیب علیہ الرحمۃ دانا پوری ثم پیلی بھیتی کی حق و باطل کی پہچان سے متعلق ایک اہم ترین کتاب بنام "مسلمانو! حق و باطل کو پہچانو" (ہندی) اشاعت و طباعت کی خوبیوں کے ساتھ شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے۔ شائقین حضرات صرف پانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر مفت حاصل کرسکتے ہیں۔ آپ اپنا پتہ اردو اور ہندی میں پن کوڈ کے ساتھ صاف صاف تحریر کریں۔

ملنے کا پتہ: عبد الرشید قادری، ساکن گلڑیا، پوسٹ سکولا، ضلع پیلی بھیت (یوپی)۔ 262001

پونہ میں
ماہنامہ اشرفیہ حاصل کریں

مولانا ایاز احمد مصباحی

پرنسپل جامعہ قادریہ

سروے 49، میٹھانگر، کونڈوا

پونہ (مہاراشٹر)